۲۱ ذی قعدہ ۳۰ جنوری

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ حَافَظَ عَلٰی اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ- رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ-

ترجمہ: حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد چار رکعتوں پر مداومت کرے گا تو اللہ تعالےٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ ابو داؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ السَّائِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ: "اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِیْهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَصْعَدَ لِیْ فِیْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے (فرضوں) سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے کہ یہ وقت ایسا متبرک ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی عمل (خیر) اس وقت اوپر چلا جائے۔ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور کہا حدیث حسن ہے۔

عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا لَمْ یُصَلِّ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا، رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ-

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب (کسی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعتیں نہ پڑھتے تو ان کو ظہر کی نماز کے بعد پڑھتے — اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا حدیث حسن ہے۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ یَفْصِلُ بَیْنَهُنَّ بِالتَّسْلِیْمِ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ، رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ-

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ (کبھی کبھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ جن کے درمیان آپ اس طرح فصل کرتے کہ ملائکہ مقربین اور ان کے متبعین (تابعداری کرنے والے) مسلمانوں اور ایمانداروں پر سلام کرتے تھے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث حسن ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰی قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا"، رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ-

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس آدمی پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کیا اور کہا حدیث حسن ہے۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الْعَصْرِ رَکْعَتَیْنِ- رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ-

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے — ابو داؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ: "لِمَنْ شَآءَ"، رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ-

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں — کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھو۔ (دو مرتبہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے) اور تیسری مرتبہ فرمایا۔ جو چاہے پڑھے (تاکہ لوگ اسے مؤکدہ نہ سمجھ لیں) بخاری۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ رَاَیْتُ کِبَارَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِیَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ-

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں — کہ میں نے بڑے بڑے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ مغرب کے وقت (سنتیں ادا کرنے کے لئے) ستونوں کی طرف سبقت کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدام الدین لاہور

۲۱ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ
۳۰ جنوری ۱۹۷۰ء

جلد ۱۵
شمارہ ۳۷

فون نمبر ۶۷۵۴۵

مندرجات

ڈھاکہ میں المناک سانحہ

سیاسی رہنما اشتعال انگیزی سے اجتناب کریں

مشرقی پاکستان کے صدر مقام ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے جلسۂ عام کا جو حشر ہؤا۔ اور وہاں جو المناک سانحہ رونما ہؤا اس کی تفاصیل اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس سانحے کی مذمت اور اس خطرناک اقدام کی مخالفت میں صدر مملکت جنرل آغا محمد یحییٰ اور ملک کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے اخباری بیانات کے ذریعہ ایسے اشتعال انگیز اقدامات سے اجتناب کی تلقین کی ہے اور حکومت نے اس ناگفتنی سانحے کے چند ملزموں کو گرفتار بھی کر لیا ہے۔

ڈھاکہ میں جو کچھ ہؤا وہ کوئی اتفاقی حادثہ یا اچانک رونما ہونے والی چیز نہیں بلکہ یہ سب کچھ اس طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ ہے جو ہمارے سیاسی رہنما اور ان کی جماعتیں ایک عرصہ سے جس کا مظاہرہ کرتی چلی آ رہی ہیں۔

ہماری نگاہ میں اس قسم کے واقعات کی بنیاد ساہی وال ریلوے اسٹیشن پر مولانا بھاشانی پر قاتلانہ حملہ کی صورت میں رکھ دی گئی تھی اور صادق آباد میں مسٹر بھٹو پر حملے کی شکل میں اس پر نیو اٹھائی گئی اور اب مشرقی پاکستان کے دو شہروں ڈھاکہ اور نرائن گنج میں "غارت نگر" تعمیر کرنے کے لئے دیواریں کھڑی کی گئی ہیں۔ اور مغربی پاکستان میں احتجاجی جلوسوں، جلسوں اور ہڑتال کے پروگرام بھی درحقیقت "امن سوزی" اور "فتنہ خیزی" ہی کے برگ و بار ہیں اس طرزِ عمل سے ملک میں صلح و آشتی اور تحمّل و رواداری کی فضا پیدا نہیں ہوگی بلکہ مشرقی پاکستان کے پورے صوبے اور وہاں کے باشندوں کے خلاف نفرت و حقارت اور انتقام و اشتعال کی خلیج کو وسیع تر کرنے کا سامان مہیا ہوگا اور یہ پہلو ملک کے خرمن امن و سلامتی کے لئے جلتی پر پٹرول کا کام دے گا۔ حالات کی نزاکت اور سنگینی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی رہنماؤں کو اشتعال انگیز بیانات اور زہرآلود تحریروں سے دامن بچا کے رکھنا چاہئے، دوسروں پر سوقیانہ حملے، ناروا تنقید اور اتہام بازی سے امن و سکون کی فضا کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

گذشتہ دنوں مسٹر بھٹو پر قاتلانہ حملہ کے واقعات کی مذمت کرتے ہوئے جب ممتاز دینی رہنما حضرت مولانا مفتی محمود نے اپنے احتجاجی بیان میں صدمے کا اظہار کیا تھا اور ہم نے عرض کیا تھا کہ اس قسم کا اقدام وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دامن معقولیت اور شرافت سے بالکل ہی خالی ہو جاتے۔ تو مسٹر بھٹو کے ساتھ نظریاتی اختلاف کے باعث اس سے اظہارِ ہمدردی اور قاتلانہ حملہ کی مذمت کا پہلو لاہور کے ایک ممتاز صحافی کی طبع نازک پر گراں گذرا تھا۔ آج جب جماعتِ اسلامی کے جلسۂ عام میں غنڈہ گردی اور غارت گری کا مظاہرہ ہؤا ہے تو جمعیۃ علماء اسلام کے اسی رہنما نے اپنے دینی اور اخلاقی فریضہ کا احساس کرتے ہوئے اس سانحے کی مذمت کی ہے اور اس پر صدمے کا اظہار کیا ہے۔

ہم جماعتِ اسلامی کے رہنماؤں کی طرح "کم ظرف" اور "کینہ پرور" نہیں ہیں کہ اسلامی اور انسانی قدروں کو پامال کرکے صرف جماعتی احباب اور اپنے "خاص ہمدردوں" ہی کو ملحوظ رکھیں —— ہم ذاتیات اور جماعتی سطح سے بالاتر ہوکر ہمیشہ اسلام اور ملک و ملّت کو ترجیح دیتے ہیں اور ہم نیک نیّتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر پاکستان کا بقاء و استحکام رہے گا اور یہ ملک داخلی اعتبار سے ہر قسم کے فتنوں اور ہنگاموں سے محفوظ رہے گا تو یہاں اسلامی نظام کا نفاذ بھی ہو سکے گا اور یہ مملکت ایک فلاحی اسلامی ریاست بن سکے گی۔ لیکن اگر سیاسی رہنماؤں کی غلط روی، اشتعال انگیزی اور ایک دوسرے پر ناجائز تہمت بازی کا موجودہ طرزِ عمل ترک نہیں کیا جائے گا ملک میں امن و سکون کا ماحول ہرگز پیدا نہ ہو سکے گا اور انتخابات کے ذریعہ اسلامی نظام رائج کرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

اسلام اور یورپ

تہذیب و تمدّن کا تاریخی موازنہ

بعض مرتبہ مذہب کا زوال اہلِ مذہب کی بدولت ہوتا ہے؟

ظفر تاباں

مذہب اس تجلّی کا نام ہے جو اپنی تنویر نوازیوں سے انسانی قلب کو شمع زار بنا دے یا ان خیالات کا اظہار ہے جو مادی اور غیر مادی اشیأ پر محیط ہوں پھر یہی مرکزِ تخیّل مبداءِ تنویر، ہدایت جذبات سے مراتبِ اعتقاد طے کرتا ہوا مرکزِ عبادت و پرستش بن جاتا ہے۔

جس طرح کوئی ہستی خیالات سے خالی نہیں اسی طرح کوئی منتہائے خیال، مذہب کی ہم آہنگی سے مبرّا نہیں جس طرح آسائش جسمانی کے لیے اسباب ضروری و لازمی ہیں اسی طرح آرام روحانی کے لیے مذہب کی ضرورت ہے جس طرح ہر جسمانی کوشش کا خاتمہ، کسی خاص مرکز پر آکر ہو جاتا ہے اسی طرح تمام کش مکش تخیلِ مذہب کی سلامت تعلیم کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوم کسی زمانہ میں بھی مذہب کی پابندیوں سے آزاد نہیں رہی۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے نہیں بچ سکتا تھا حفاظتِ مذہب کے لیے اسپین میں ایک مجلس انکوائیزیشن قائم کی گئی تھی۔ جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ کسی عقیدہ کو مذہب سے دست و گریباں نہ ہونے دے۔ چنانچہ اِس خونخوار مجلس نے ابتدائے قیام سے آخر زمانہ تک تین لاکھ انسانوں کو لا مذہب قرار دے کر زندہ آگ میں جلا دیا۔ گو یہ مذہب نہیں تاہم ایک غیر مکمل مذہب کی گل سازیاں ضرور ہیں۔

اس کے علاوہ یونانی انکشافات نے مذہب کی انتہائی بیخ کنی کی اور مذہب کا اختلاف اس ثبوت میں پیش کیا گیا۔ کہ ہمارے پاس صدق و کذب کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں۔ مذاہب اس قابل ہی نہیں کہ وہ صدق و کذب میں کوئی امتیازی فرق بنا سکیں، اور ایک گروہ کا تو یہ خیال تھا کہ دنیا میں نیکی اور بدی کا سرے سے سلسلہ ہی نہیں پایا جاتا۔ یہ حسن و قبح ہماری تعلیم و معاشرت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جنھیں ہم وقیع نگاہوں سے نہیں دیکھتے ہیں مگر یہی باتیں دوسری قوموں کے نزدیک تہذیب سے ذرا مناسبت نہیں رکھتیں۔

یہ اختلافات تھے جن سے یونان کی آبادیاں مختلف حصّوں میں منقسم ہو گئی تھیں، جن کے اغراض و مقاصد جُدا گانہ تھے جن کے عقائد ایک دوسرے کے بالکل مخالف تھے مگر ان اختلافات کے باوجود مذہب کا وجود پایا جاتا ہے اور اختلافاتِ یونان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا اور یہی مذہب کی ابدیت کی مکمل دلیل ہے۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اِن اختلافات میں بھی بہت کچھ حقیقت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ کیونکہ دنیا کے بہت کم مذاہب ایسے ہیں جو اپنے فرائض و کلیات کی حقیقت عقل کے سامنے پیش کر سکیں۔

یُورپ بھی یونان کی طرح اختلافاتِ مذہبی سے محفوظ نہ رہ سکا اور ان اختلافات نے یورپ کے قیمتی نفوس کو ضائع کر کے چھوڑا مگر اس خونخواری کا سہرا یونان کے سَر ہے کیونکہ یہ اختلافات یونان کی ہی صدائے بازگشت تھی، جس نے یورپ میں بھی لاکھوں منکرین مذہب پیدا کر دیئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یورپ اِن اختلافات میں حق بجانب تھا کیونکہ یورپ کے تمام مذاہب اپنی پیروی کا تو بڑے زور سے اعلان کرتے تھے، مگر انھیں یہ نہ بتایا جاتا تھا کہ مذہب کیوں اور کس غرض سے مانا جائے۔ ان میں خلاف مشاہدہ باتوں پر سر تسلیم خم کرایا جاتا تھا اور عقل کو نیک و بد کے امتیاز پر ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ نہ ان مذاہب میں عقل و جذبات کی حدود محدود تھیں اور نہ یہ اپنی پابندی کے سبب کسی مناسب بات کو تسلیم کر سکتے تھے ان کی پابندیوں سے کوئی عقلی اور نقلی آزادی مقید ہوئے بغیر نہیں بچ سکتی تھی۔ یہی ایک سبب تھا کہ یہ مذاہب مذہب نہ رہے تھے بلکہ ایک قسم کی چیستان یا کچھ اور بن گئے تھے اور ان کی ناکامی کا زیادہ تر سبب یہ تھا کہ اِن کا دار و مدار محض وہم پرستی پر موقوف تھا، کہیں صداقت پر اتنا مبالغہ کیا جاتا کہ وہ بالکل پہلوئے صداقت سے گر جاتی تھی اور کہیں کذب اس انداز سے بیان کیا جاتا کہ وہ بالکل صدق بن جاتا تھا۔ دماغی پرداز کا کوئی لحاظ نہ تھا کہیں اتنی شدید قید تھی کہ جو بتا دیا گیا اسے معبود سمجھ لو۔ کہیں یہ آزادی تھی کہ سنگ و شجر تک معبود بننے کی قابلیت رکھتے تھے۔

مذہب کی اہمیّت

دنیا کی بیشتر قوموں کا عروج و زوال اعتدالِ مذہبی پر موقوف ہے۔ اگر ایک قوم کسی سچے مذہب کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہے تو مرورِ دہور کو اس کے مٹا دینے کا کوئی حق نہیں۔ یونان جس کی عقلی ترقیوں نے دنیا کی نگاہیں، فضائے تحیّر میں جما دیں زمانہ حال کی کوئی عقلی ترقی، ان کی ترقی کی ہمسری نہ کر سکی اور دنیا آج تک ارسطوؔ، افلاطونؔ و سقراطؔ جیسے ماہرینِ فن پیدا نہ کر سکی مگر عقل کی اس قدر دست گیری کے بعد بھی ان کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔ غالباً اس کا حقیقی سبب اس قدر تھا کہ وہاں عقل ہی کو خالق موجودات کہا جاتا تھا اور مذہب و اخلاق کو عقل کے توازن میں کسی ذلیل مرتبہ پر بھی نہیں رکھا جاتا تھا۔

ہم نہیں کہتے کہ مذہب کے مقابلہ میں عقل، سائنس، فلسفہ گمراہ محض چیزیں ہیں بلکہ ان میں ہر ایک کی حدود مقرر ہیں۔ اور یہ چیزیں اپنی حدود کے اندر ہی دنیا کی رہبری کر سکتی ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۷ پر)

کلمہ طیبہ کی فضیلت

حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہم العالی، ساہی وال خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیرؒ واہ کینٹ کے درس قرآن کی پانچویں سالانہ تقریب کے سلسلہ میں ہفتہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۹ء کی شام کو تشریف لائے اور بنگلہ ۱۵ جامن روڈ پر مجلس ذکر منعقد فرمائی۔ ذکر کے بعد حضرت موصوف نے مندرجہ ذیل تقریر ارشاد فرمائی۔ جو مجلس ذکر کے کالم کے ذریعے ہدیۂ قارئین خدام الدین کی جاتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی : اَمَّا بَعْدُ : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؛ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :-

۱۔ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط (عنکبوت ۴۵)

ترجمہ: اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

۲۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ ۱۴)

ترجمہ: اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کر۔

تمہید

میرے محترم بزرگو اور عزیز بھائیو! اس وقت میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیات میں سے دو چھوٹے چھوٹے جملے پڑھے ہیں۔ قرآن مجید تو ایک بحرِ ذخار ہے، بے انتہا بے پایاں سمندر ہے۔ قرآن مجید کی خوبیوں کو کون انسان بیان کر سکتا ہے؟ ایک ایک کلمے پر ساری دنیا بیان کرتے کرتے ختم ہو جائے لیکن مَا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ط خدا کی باتیں، خدا کے کلمے، خدا کا کلام ختم ہونے والا نہیں ہے جب خدا کا کلام ختم ہونے والا نہیں ہے تو اس کے انوار، فیوضات، برکات اور خوبیاں، خواص، منافع اور فوائد جو ہیں وہ کس طرح ختم ہونے والے ہیں؟ خدائے قدوس وحدہٗ لا شریک جل شانہٗ آپ کو اور مجھ کو صحیح سمجھ عطا فرمائے تاکہ ہم اس کے کلام کو سمجھ کر اس پر عمل کرکے نجاتِ اخروی سے ہمکنار ہو جائیں۔

عقلِ سلیم

سب سے بڑی نعمت اور دولت عقلِ سلیم ہے۔ اور سب سے بڑا عذابِ الٰہی جو ہے اس دنیا میں وہ عقل سے بے عقل ہو جانا ہے ــ کسی پنجابی والے نے کہا ہے۔ ع

خدا نہ مارے لاٹھی سوٹی مت کھتیں پا

سب سے بڑی خدا کی طرف سے کوئی لعنت یا عذاب ہے تو عقل سے بے عقل ہو جانا ہے۔ میرے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے "عقلمند تھوڑے، بے وقوف سارے" سب جاہل، سب جہالت کے شکار ــــــ یہ جتنے علوم اور بڑی بڑی ترقیاں ہیں یہ علوم تو نہیں، یہ ایک صنعت ہے، ایک حرفہ ہے، ایک دستکاری ہے۔ علوم تو وہ ہیں جن سے معرفتِ الٰہی پیدا ہو۔ اور وہ قرآن کریم سکھاتا ہے۔ قرآن کریم نے معرفتِ الٰہی سکھائی ہے اور ذکرِ الٰہی سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

ذکرِ حق کی فضیلت

ذکرِ الٰہی کی بہت بڑی شان ہے، بہت بڑی بزرگی ہے۔ اس وقت میں صرف کلمے شریف کے متعلق کچھ کلمات عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ ذکرِ الٰہی کے مختلف شعبے ہیں۔ اس کی مختلف اقسام ہیں۔ ذکرِ لسانی ہے، ذکرِ قلبی ہے، ذکرِ سرّی ہے۔ اور ذکرِ سرّی کو ستّر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے ذکرِ جہری سے ــــ نقشبندیوں کے ہاں تو ذکرِ سرّی سے اذکار کی ابتدا ہوتی ہے لیکن باقی خاندانوں کے ہاں ذکرِ سرّی پر اذکار کی انتہا ہوتی ہے۔ اخیر میں جا کر بزرگانِ دین صوفیاءِ کرام ذکرِ سرّی سکھاتے ہیں۔ ذکرِ خفی بھی اس کو کہا جاتا ہے اور اس کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ فضیلت اور ثواب میں، شان اور بزرگی میں اور قربِ الٰہی میں ستّر درجے فائق اور اونچا ہے۔ کسی کہنے والے نے خوب کہا ہے ؎

جنہوں کے عشق صادق ہیں وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پر مہرِ خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

صوفیاءِ کرام نے بھی لکھا ہے ؎

گوش بند و چشم بند و لب ببند
گر نبینی سرِّ حق بر من بخند

یہ باطن کے راستے تب ہی کھلتے ہیں جب تین راستے بند کر دئے جائیں۔ کانوں کا راستہ، زبان کا راستہ اور آنکھوں کا راستہ ــ پھر وہ حقائق کھلتے ہیں ــ سبحان اللہ و بحمدہٖ، سبحان اللہ العظیم کہ انسان کی طاقت سے باہر چیزیں ہیں، نہ بیان کر سکتا ہے انسان، نہ تحریر میں آ سکتی ہیں، نہ دنیا کی کسی نعمت میں وہ لذّت ہے جو خدائے قدوس وحدہٗ لا شریک جل شانہٗ کے نامِ نامی اسمِ گرامی میں لذّت اور لُطف ہے خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک جلشانہٗ مجھے اور آپ کو اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

جیسا کہ ذکر کے شروع میں آپ نے پڑھا اور بزرگانِ دین کا مسلک چلا آ رہا ہے اور ہمیں تعلیم اور ہدایت ہے۔ "اے اللہ کریم! ہمیں اپنا نام نصیب فرما، اے اللہ! ہمیں اپنا شوق نصیب فرما، اے اللہ کریم! ہم سے وہ کام کرا جن کاموں میں آپ راضی ہیں"۔ ساری اسلامی تعلیم کا خلاصہ تین دعاؤں کے اندر ہی بزرگانِ دین نے ہمیں ہدایت فرما دیا۔ اور رہنمائی ہماری فرما دی۔ شوق بہت بڑی نعمت ہے۔ خداوندِ قدوس وحدہٗ لاشریک جلشانہٗ مجھے اور آپ کو اپنے نام کا، اپنے کلام کا، اپنے احکام کا شوق اور ذوق نصیب فرمائے۔ اپنی عبادات کا، اپنے ذکر و فکر کا، اپنی طاعات کا ذوق اور شوق عطا فرمائے۔ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ الفاظ ہیں کہ اَلشَّوْقُ مَرْکَبِیْ۔ شوق جو ہے یہ میرا گھوڑا ہے، میری سواری ہے، میں اس پر سوار ہو کر اس میدان کو طے کر رہا ہوں۔ اور مالک الملک اور محبوبِ حقیقی تک پہنچ رہا ہوں۔ ایک منٹ، ایک سیکنڈ، ایک لمحہ بھی اس سواری سے آپؐ جُدا نہیں تھے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اور مجھ کو یہ سواری نصیب فرمائے۔

اذکارِ اربعہ

عرض یہ کرنا تھا کہ اس وقت ہم ذکرِ الٰہی کرتے ہیں، پہلا حصّہ ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط دوسرا حصّہ ہے اِلَّا اللّٰهُ ط تیسرا حصّہ ہے اَللّٰهُ (جل شانہٗ) اور چوتھا حصّہ ہے ھُوْ ــــ اذکارِ اربعہ ان کو کہا گیا ہے اور چاروں خاندانوں میں یہ چیزیں موجود ہیں۔ طریقے مختلف ہیں اور یہ چاروں چیزیں ہی موجود ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کے واقعات میں میں نے ایک واقعہ پڑھا کہ ان کی ساری رات اِلَّا اللّٰهُ ط، اِلَّا اللّٰهُ ط پڑھتے گذر جاتی ــــ سبحان اللہ ایسا کلمہ پاکیزہ ہے ــــ یہ تو مدتِ مدید تک کوئی بزرگانِ دین کی خدمت میں بیٹھے، اُن کے جُوتے اٹھائے، اُن کے جُوتوں کی مٹی کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائے، پھر جا کر ان کلمات کے کچھ حقائق اور معارف کھُلتے ہیں۔ حقیقت ہے یہ، اب میں قال قال سے آپ کے سامنے چیزیں پیش کر رہا ہوں لیکن حقیقت بہت اونچی ہے۔ صبح کو حضرت گنگوہیؒ کے بیٹے آتے تو آپؒ ان کے نام پوچھتے، اتنی محویت کا عالم، اشراق اور چاشت کے وقت تک قلب و جسم اور ان کی روح پر طاری رہتا۔ سب چیز ختم ہو جاتی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اور مجھ کو یہ باطنی نعمتیں نصیب فرمائیں۔ ذوق شوق بھی عطا فرمائیں۔

کلمہ طیّبہ کا درجہ

بہر حال احادیثِ صحیحہ میں آتا ہے کہ یہ کلمہ شریف جو ہے افضل الذکر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم اور حدیث کے تتبع اور تلاش سے اس کلمہ شریف کے نام جو میں نے لکھے ہیں، تلاش کئے ہیں۔ تقریباً تیس کے قریب ہیں۔ کلمۃ التقویٰ، کلمۃ الطہارۃ، کلمۃ الاخلاص، کلمۃ التوحید، کلمۃ النجاۃ، کلمۂ طیّبہ اور کلمۃ البہاء کلمۃ اللقاء، مفتاح الجنّۃ ــــ یعنی اس کلمہ شریف کے نام تقریباً ۲۹ یا ۳۰ ہیں ــــ خدائے وحدہٗ لاشریک ہر نام کے اندر اپنی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

کلمے سے سب گناہ معاف

سب سے بڑی اس کلمے کے اندر تاثیر جو ہے، جو اس وقت میں عرض کرنا چاہتا ہوں (اللہ تعالےٰ آپ کو اور مجھ کو بہرہ یاب، کامیاب اور خوش نصیبی عطا فرمائے اور ساتھ ہی اس کے پڑھنے کی توفیق بھی عطا فرمائے) حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص نے ایک دفعہ خلوصِ دل اور مدِّ صوت سے اس کلمہ شریف کو پڑھا تو ستر کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ پڑھنے سے ــــ مدِّ صوت کا مطلب ہے کہ لَآ کے اوپر مدّ ہے صوت بمعنی آواز ــــ جب لَآ کھینچا جائے لَآ اِلٰـهَ ط کہا جائے، جتنے کبیرہ گناہ ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا اللّٰهُ ط سے سارے ختم ہی ہو گئے ہیں تو تین مرتبہ پڑھ لیا جائے ــــ جب ایک دفعہ پڑھنے سے ستر کبیرہ گناہ معاف ہو گئے تو اگر آپ سو مرتبہ پڑھیں گے تو کتنے گناہ معاف ہو گئے؟ ــــ بہرحال سو مرتبہ پڑھیں یا تین مرتبہ پڑھیں ــــ پڑھنے کے بعد انسان ایسا ہو جاتا ہے کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ، جیسے ماں نے بے گناہ بچہ جَن دیا۔ سب کبیرہ گناہ شرک، کفر معاف۔ اللہ رب العزّت، مجھے آپ کو اس کلمے کی عظمت، اس کی حقیقت، اس کی معرفت نصیب فرمائیں تاکہ ہم اس پر عامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزّت پہنچ جائیں۔

شیطان کے لئے بم

یاد رکھئے: نفس اور شیطان کی تباہی اور بربادی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ہتھوڑا، گُرز، تیر، توپ یا کوئی بم نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب مومن پڑھتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے اور اس کو جگہ نہیں ملتی، میلوں بھاگ جاتا ہے۔ نفس اور شیطان کی فنائیت کے لئے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ط سے زیادہ کوئی بڑا وظیفہ نہیں ہے۔

فرشتے کی پیشانی پر کلمۂ توحید

پھر جس وقت انسان کا خاتمہ ہو۔ اس کے پڑھنے والے مومن کا، کلمۂ توحید کے پڑھنے والے، روزانہ سو مرتبہ وِرد کرنے والے، پڑھنے والے کا تو ملک الموت اس کے سامنے آئے گا۔ (روایات میں آیا ہے) تو اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ط انسان جس وقت کسی انسان کو یا کسی چیز کو دیکھتا ہے تو پہلے اس کے چہرے پر نظر پڑتی ہے۔ چونکہ فرشتے ہمیشہ انسانی شکل میں آتے ہیں۔ اپنی شکل میں کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے پاس نہیں آتے سوائے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ آپؐ نے فرمایا دو دفعہ میں نے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی شکل میں دیکھا ہے۔ ایک تو وہ کہ جس وقت آپؐ پر سورتِ فاتحہ نازل ہوئی اور غارِ حرا سے نبوّت کا پیغام لے کر آتے ہیں، تو دیکھا جبرئیل علیہ السلام کو کہ سنہری کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ اور ایک پَر مشرق میں، ایک پَر مغرب میں، سر آسمان میں اور پاؤں نیچے زمین پر پڑے ہوتے ہیں ــــ یہ فرشتے کی اصلی شکل ہے ــــ ذرا خیال فرمائیں آپ۔ ورنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ۲۳ برس میں ۲۴ ہزار مرتبہ نزول فرمایا ــــ دوسرا شبِ معراج کے اندر ــــ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ (النجم ۱۳) اس وقت دیکھا آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو ــــ اس وقت اصلی شکل میں دیکھا۔ تو اسی طرح پر ملک الموت ہو، عزرائیل ہو، اسرافیل ہو، جبرئیل ہو، اصلی شکل میں انسان نہیں دیکھ سکتا۔ انسانی شکل میں انسانوں کے پاس، بندوں کے پاس آتے ہیں۔ مومنین، موحّدین، مخلصین کے پاس اب بھی آتے ہیں۔ تو مرنے کے وقت تو ہر شخص کے پاس یقیناً آئیں گے اور آتے ہیں۔ اس وقت فرشتہ جب روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اس کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ط۔ تو جس وقت یہ مرنے والا پہلی نظر اٹھا کے دیکھتا ہے پیشانی پر تو اس کی زبان پر کلمۂ توحید جاری ہو جاتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ط خاتمہ اس کا ایمان پر ہو جاتا ہے۔ اگر زبان بھی بند ہو جائے تو اس کلمے کا عکس قلب پر وارد ہو جاتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ کلمۂ توحید جو ہے یہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

(باقی ص۱۲ پر)

سیدنا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

قسط ۳

شیوخ مالک رح

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جب آنکھ کھولی تو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باغ و بہار تھا۔ باستثنائے چند یہ تمام بزرگوار درس و افتاء میں مشغول و مصروف تھے، آپ نے ان میں سے اکثر سے استفادہ کیا اور اس طرح مدینہ کا علم جوکہ متفرق سینوں میں محفوظ و منتشر تھا۔ وہ اب صرف ایک ہی سینۂ اقدس میں محفوظ و مجتمع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ متفرق علوم کے گنجینوں کے واحد گنجینہ بن گئے تو امام دار الہجرۃ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

حضرت امام موصوف و ممدوح کے شیوخ کی یوں تو تعداد بہت کثیر ہے۔ جیساکہ اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور و منقول ہے کہ روی عن خلق کثیر۔ یعنی مالک نے بہت سے لوگوں سے روائتیں کی ہیں۔ لیکن مؤطا میں جن شیوخ سے انہوں نے روایت کی ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے قول کے مطابق (جوکہ مقدمہ مسویٰ شرح مؤطا میں مرقوم ہے) چھ اشخاص اور حضرت سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نوّر اللہ مرقدہٗ کی تحقیق و جستجو کے مطابق نو اشخاص کے سوا وہ سارے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باشندے ہیں۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ امام مالک رح حصولِ علم دین کے لیے مدینہ منورہ سے کبھی باہر نہیں گئے۔ اس وضاحت کو مزید اس امر سے تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت امام دار الہجرۃ سے طلب علم کے لیے دوسرے شہروں کا سفر ثابت نہیں۔ امام نے تحصیل علم کے لیے دوسری جگہوں کا سفر کیوں اختیار نہیں کیا؟ اس کی وجہ کافی معقول اور ظاہر ہے کہ جس کا اپنا گھر اور وطن خود زر و جواہر کی کان ہو اس کو باہر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی حاجت ہی کیا ہے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خود علوم دینیہ محدثین عظام اور علمائے اسلام کا مرکز تھا۔ تمام مملکت اسلامیہ کے اساتذہ کے شیوخ کھنچ کھنچ کر یہاں چلے آتے تھے، سال میں ایک دفعہ حج کے موقع پر مکہ معظمہ سے فارغ ہونے کے بعد دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق و ولولہ لوگوں کو کشاں کشاں لے آتا تھا

امام کے شیوخ اعزہ

گھر میں حضرت امام مالک رح کے دادا، چچا اور والد خود محدث تھے۔ جب امام ممدوح حدیث پاک کے طالب ہوئے تو اپنے گھر ہی کو ان علوم کا خزینہ و مرجع پایا۔ آپ کے دادا حضرت مالک بن ابی عامر جو کہ ثقات رُواۃ میں سے ہیں آپ کے اچھی طرح ہوش سنبھالنے تک زندہ تھے۔

جب انھوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو اس وقت امام صاحب کی عمر بارہ تیرہ کی تھی لیکن شاید اپنے بچپن یا دادا کے بڑھاپے کی وجہ سے [illegible] کہ محدثین عظام اور عوام [illegible] دونوں کے نزدیک یہ [illegible] دونوں زمانے برابر ہیں۔ [illegible] اس چشمۂ فیض سے بلا واسطہ آپ نے تمتع حاصل نہیں کیا۔

ابو سہیل نافع امام مالک رح کے ایک چچا روایت و حدیث کے شیخ تھے۔ یہ امام زہری رح وغیرہ کے استاذ ہیں۔ امام نے بھی ان سے حدیثیں سیکھی ہیں۔ آپ کے والد انس اور دوسرے چچا ربیع دونوں اپنے باپ (یعنی امام مالک رح کے دادا، مالک بن ابی عامر) سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان بزرگوں سے کوئی روایت انھوں نے مؤطا میں نقل نہیں کی ہے۔

اغلب خیال یہی ہے کہ حضرت امام مالک رح نے نہایت لڑکپن سے طلب علم شروع کی کیوں کہ خود امام کی زبانی مروی ہے:۔ کنت اٰتی نافعا و انا غلام حدیث السن ومعی غلام فیتنزل فیحدثنی۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ا ص ۸۸)

(ترجمہ) میں نافع کے پاس آتا تھا تو ایک کمسن لڑکا تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا، نافع اتر کر آتے تھے تو مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نصاب تعلیم نہایت سادہ اور صاف تھا، یعنی قرآن، حدیث اور یہی علوم متداولہ تھے۔ جن کی تحصیل و سند کافی و وافی تھی۔

حضرت امام مالک رح نے قرآن مجید کی قرأت و سند مدینۃ الرسول کے امام القراء ابو رویم نافع بن عبد الرحمان (المتوفی ۱۶۹ھ) سے حاصل کی (بحوالہ ابن خلکان ترجمۂ مالک و نافع بن عبد الرحمن)

یہ وہی مشہور و معروف قاریٔ قرآن ہیں جن کی قرأت پر آج تمام دنیا کے اسلام کی بنیاد ہے۔ نافع بن عبد الرحمن سے اخذ قرأت کی روایت خود امام صاحب کی زبانی منقول ہے لیکن زمانہ مذکور نہیں۔ اس بنا پر کہ قرآن مجید کی تعلیم ہمیشہ مسلمانوں میں لڑکپن میں ہوتی ہے، عجب نہیں کہ اس کا یہی زمانہ ہو!

علم الحدیث

حضرت امام مالک رح نے علم حدیث کی تعلیم بھی بچپن ہی سے شروع کی۔ جیساکہ گزشتہ روایت سے ثابت ہوتا ہے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت نافع (حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام) ہیں (یا ممکن ہے آپ کے چچا ابو سہیل نافع ہوں کہ وہ خود گھر کے اندر تھے لیکن یہ قیاس ہے کہیں اس کی کوئی تصریح نہیں۔)

شیخ الحدیث حضرت نافع رح

شیخ الحدیث حضرت نافع سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جن کی جلالت شان ظاہر ہے، آزاد کردہ غلام تھے اسلام کی روایات میں غلام کا وہ مفہوم و معنی نہیں جو یورپ کی ڈکشنری میں ہے یورپ میں غلام مظلومیت، بے کسی، ذلت خواری اور جہالت کا مجموعہ ہے لیکن اسلام میں عزت، احسان، وفا، تربیت، علم اور جانشینی آقا کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا غلام عکرمہ وہ ہے جس پر علم تفسیر کا دار مدار ہے اور یہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام نافع ہیں جو حدیث و روایت کے استاد و شیخ تھے۔ (باقی آئندہ)

موجودہ "جہیز" کی رسم ۔ معاشرے کا رِستا ہوا ناسور

تحریر: محمد زبیر چوہان سٹوڈنٹ بی کام، لائلپور

جہیز ایک ایسی لعنت ہے ، جس نے ہمارے معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر رکھا ہے ۔ صرف نمائش ، برتری اور جھوٹے وقار کی خاطر تن من کو جہیز پر قربان کر دیا جاتا ہے ۔ آئے دن اخبارات ، رسائل اور ریڈیو اس کے متعلق فیچر نشر کرتے رہتے ہیں ۔ لیکن بے حس قوم کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور یہ لعنت روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے ۔ اس کے بڑھنے کے اسباب کیا ہیں ؟ بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ دولت کی ریل پیل نے عوام کے ذہن کو مفلوج کرکے رکھ دیا ہے ۔ وہ یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ ہمارے ان اقدام سے اللہ کی کتنی مخلوق کو دُکھ ہوگا ـــ کتنے لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے ۔ کتنے لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے ناجائز اقدامات کرنے پر مجبور ہوں گے اور ملک کی ترقی رُک جائے گی ۔ مثال کے طور پر اگر ایک سرمایہ دار ، جاگیردار ، صنعت کار یا نمائش پسند اپنی بیٹی کو جہیز میں دس دس ہزار کی پانچ چھ ساڑھیاں پُرتکلف کھانے اور سونے چاندی کے برتن دیتا ہے جیسا کہ عام مشاہدہ میں آتا رہتا ہے ۔ ساڑھیاں جو کہ صرف اور صرف صندوق کا زیور ہیں ۔ اور کسی کام کی نہیں ۔ کیونکہ ساڑھی صرف کبھی کبھار ہی استعمال میں لائی جاتی ہے اگر اس کو صندوق میں پڑے پڑے ٹڈی یا کوئی اور کیڑا کھا جائے تو وہ بیکار ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح سونے چاندی کے برتن زیبائش کے کام تو آتے ہیں استعمال میں نہیں ۔ وہ مٹی اور گرد و غبار پڑنے سے اپنی قدر و قیمت کھو دیتے ہیں ۔ اور جہیز میں پانی کی طرح بہایا ہوا ہوا سرمایہ بے کار جاتا ہے ۔ اگر وہ لاکھ دو لاکھ روپے سے کچھ اپنی بیٹی پر اور باقی قوم کی بیٹیوں کا درد کرتے ہوئے دو چار کی شادیوں پر خرچ کر کے ان کے باپ کا بوجھ اتروا دیتا تو سونے پر سہاگہ ہوتا اور نہ سہی تو کم از کم اسی لاکھ دو لاکھ روپے سے اپنی بیٹی یا داماد کے نام کوئی کارخانہ ، کوئی صنعت یا فیکٹری ہی کھول دیتا تو یقیناً ملک کی قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ۔ اشیاء کی قیمتوں میں کمی واقع ہوتی ۔ متوسط اور غریب طبقہ کو فائدہ اور ملک کے بے روزگار افراد کو کام نصیب ہوتا ۔ لیکن وہ ان تمام باتوں کے برعکس ظاہری نمائش ، جھوٹے وقار اور برتری حاصل کرنے کے لئے اخبارات و رسائل اور ریڈیو کے پروگراموں کا تمسخر اڑاتے ہوئے اپنی دولت کے نشہ میں سرشار ہو کر من مانی کرتے ہیں ۔ کیا وہ ملک کی لاکھوں بھوک اور افلاس کی ماری ہوئی بیٹیوں کے منہ پر طمانچہ نہیں مارتا ۔ اور اس نے ملک کی ہزاروں دوشیزاؤں کے ارمانوں کا خون نہیں کیا ۔ کیا یہ ظلم نہیں جنہوں نے ایک ایسا نظام پیدا کیا ہوا ہے ۔ جس نے ایک بے بس مجبور باپ کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے ۔ صرف اس لئے کہ اس کی بیٹی جوان ہے کیا انہوں نے اسے زندگی موت کی کش مکش میں مبتلا نہیں کر رکھا ہے ۔ ایک طرف جب وہ ان سرمایہ داروں جاگیرداروں اور نمائش پسندوں کی بیٹی کی ڈولی کو شہنائیوں ، آتش بازیوں ، باجوں ، کاروں اور جیپوں میں اٹھتا دیکھتا ہے تو ندامت اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ قبیلے کی قبیلے سے تکبّر اور خاندان کے خاندان تباہ ہو رہے ہیں ، کہیں مکان گروی رکھے جا رہے ہیں ، کہیں دُکانیں فروخت کی جا رہی ہیں ۔ ادھر گھر کا سامان فروخت ہو رہا ہے ۔ ادھر سفّاک اور درندے بے بسی کے عالم میں بیٹیاں ہی فروخت کر رہے ہیں ـــ صرف اس لئے کہ برادری میں بھرم قائم رہے ۔ کہیں ناک نہ کٹ جائے ۔ اگر ہم ان لغو رسموں کی عینک اتار کر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ موجودہ جہیز معاشرے کا رِستا ہوا ناسور ہے ۔ جو روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے اور معاشرتی برائیوں کو جنم دے رہا ہے ۔ جب کسی غریب آدمی کو خواہ کسی محکمے میں ہو ۔ بیٹی کی شادی کرنی ہوتی ہے ۔ اور جائز ذرائع آمدنی ناکافی ہوتے ہیں تو پھر وہ رشوت لینے ، غبن اور چوری جیسے سنگین جرائم کی بھی پرواہ نہیں کرتا ۔

میری تحریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں جہیز کے بالکل خلاف ہوں ۔ نہیں ۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی لختِ جگر کو جہیز دیا تھا ۔ اگر جہیز اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ آج کا معاشرہ مطالبہ کر رہا ہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی لختِ جگر کو مشکیزہ ، لوٹا اور مصلّی نہ دیتے بلکہ وہ پہاڑوں کے پہاڑ سونا دیتے ۔ کیونکہ وہ بادشاہوں کے بادشاہ ، شہنشاہوں کے شہنشاہ والیٔ دو جہاں تھے ۔ آج کے سرمایہ دار ، جاگیردار صنعت کار اور نمائش پسند ایک طرف ہو جائیں ، تب بھی سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جوتوں کی نوک کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے ۔ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی امت کا درد تھا ۔ آپ کی دُور رس نگاہ نے آنے والے حالات کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ میری امت میں یہ خرابیاں پیدا ہوں گی ۔ اس لئے آپ نے سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کی تھی ۔ اور فرمایا تھا کہ جو کوئی میرے اُسوہ حسنہ پر چلے گا وہ کامیابی اور فلاح پا جائے گا ۔ صرف نمائش اور جھوٹے وقار کی خاطر تن من قربان کر دینا کہاں کی شرافت ہے ۔ اسلام نے ہمیں نمائش کرنے سے سختی سے روکا ہے ۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

موجودہ "جہیز" کی رسم ہمارے معاشرے کا رِستا ہوا ناسُور

تحریر: محمد زبیر چوہان سٹوڈنٹ بی کام، لائلپور

جہیز ایک ایسی لعنت ہے، جس نے ہمارے معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر رکھا ہے۔ صرف نمائش، برتری اور جھوٹے وقار کی خاطر تن من کو جہیز پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ آئے دن اخبارات، رسائل اور ریڈیو اس کے متعلق فیچر نشر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن بےحس قوم کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور یہ لعنت روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس کے بڑھنے کے اسباب کیا ہیں؟ بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ دولت کی ریل پیل نے عوام کے ذہن کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ ہمارے ان اقدام سے اللہ کی کتنی مخلوق کو دکھ ہوگا ــــ کتنے لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کتنے لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے ناجائز اقدامات کرنے پر مجبور ہوں گے اور ملک کی ترقی رک جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر ایک سرمایہ دار، جاگیردار، صنعت کار یا نمائش پسند اپنی بیٹی کو جہیز میں دس دس ہزار کی پانچ چھ ساڑھیاں پُرتکلف کھانے اور سونے چاندی کے برتن دیتا ہے جیسا کہ عام مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ ساڑھیاں جو کہ صرف اور صرف صندوق کا زیور ہیں۔ اور کسی کام کی نہیں۔ کیونکہ ساڑھی صرف کبھی کبھار ہی استعمال میں لائی جاتی ہے اگر اس کو صندوق میں پڑے پڑے ٹڈی یا کوئی اور کیڑا کھا جائے تو وہ بیکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سونے چاندی کے برتن زیبائش کے کام تو آتے ہیں استعمال میں نہیں۔ وہ مٹی اور گرد و غبار پڑنے سے اپنی قدر و قیمت کھو دیتے ہیں۔ اور جہیز میں پانی کی طرح بہایا ہوا ہوا سرمایہ بے کار جاتا ہے۔ اگر وہ لاکھ دو لاکھ روپے سے کچھ اپنی بیٹی پر اور باقی قوم کی بیٹیوں کا درد کرتے ہوئے دو چار کی شادیوں پر خرچ کر کے ان کے باپ کا بوجھ اتروا دیتا تو سونے پر سہاگہ ہوتا اور نہ سہی تو کم از کم اِسی لاکھ دو لاکھ روپے سے اپنی بیٹی یا داماد کے نام کوئی کارخانہ، کوئی صنعت یا فیکٹری ہی کھول دیتا تو یقیناً ملک کی قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کی قیمتوں میں کمی واقع ہوتی۔ متوسط اور غریب طبقہ کو فائدہ اور ملک کے بے روزگار افراد کو کام نصیب ہوتا۔ لیکن وہ ان تمام باتوں کے برعکس ظاہری نمائش، جھوٹے وقار اور برتری حاصل کرنے کے لئے اخبارات و رسائل اور ریڈیو کے پروگراموں کا تمسخر اڑاتے ہوئے اپنی دولت کے نشہ میں سرشار ہو کر من مانی کرتے ہیں۔ کیا وہ ملک کی لاکھوں بھوک اور افلاس کی ماری ہوئی بیٹیوں کے منہ پر طمانچہ نہیں مارتا۔ اور اس نے ملک کی ہزاروں دوشیزاؤں کے ارمانوں کا خون نہیں کیا۔ کیا یہ ظلم نہیں جنہوں نے ایک ایسا نظام پیدا کیا ہوا ہے۔ جس نے ایک بے بس مجبور باپ کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کی بیٹی جوان ہے کیا انہوں نے اسے زندگی موت کی کش مکش میں مبتلا نہیں کر رکھا ہے۔ ایک طرف جب وہ ان سرمایہ داروں جاگیرداروں اور نمائش پسندوں کی بیٹی کی ڈولی کو شہنائیوں، آتش بازیوں، باجوں، کاروں اور جیپوں میں اٹھتا دیکھتا ہے تو ندامت اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قبیلے کی قبیلے سے ٹکر اور خاندان کے خاندان تباہ ہو رہے ہیں، کہیں مکان گروی رکھے جا رہے ہیں، کہیں دکانیں فروخت کی جا رہی ہیں۔ ادھر گھر کا سامان فروخت ہو رہا ہے۔ ادھر سفاک اور درندے بے بسی کے عالم میں بیٹیاں ہی فروخت کر رہے ہیں ــــ صرف اس لئے کہ برادری میں بھرم قائم رہے۔ کہیں ناک نہ کٹ جائے۔ اگر ہم ان لغو رسموں کی عینک اتار کر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ موجودہ جہیز معاشرے کا رِستا ہوا ناسُور ہے۔ جو روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے اور معاشرتی برائیوں کو جنم دے رہا ہے۔ جب کسی غریب آدمی کو خواہ کسی محکمے میں ہو۔ بیٹی کی شادی کرنی ہوتی ہے۔ اور جائز ذرائع آمدنی ناکافی ہوتے ہیں تو پھر وہ رشوت لینے، غبن اور چوری جیسے سنگین جرائم کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

میری تحریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں جہیز کے بالکل خلاف ہوں۔ نہیں۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی لختِ جگر کو جہیز دیا تھا۔ اگر جہیز اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ آج کا معاشرہ مطالبہ کر رہا ہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی لختِ جگر کو مشکیزہ، لوٹا اور مصلّٰی نہ دیتے بلکہ وہ پہاڑوں کے پہاڑ سونا دیتے۔ کیونکہ وہ بادشاہوں کے بادشاہ، شہنشاہوں کے شہنشاہ والیٔ دو جہاں تھے۔ آج کے سرمایہ دار، جاگیردار صنعت کار اور نمائش پسند ایک طرف ہو جائیں، تب بھی سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جوتوں کی نوک کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے۔ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی امت کا درد تھا۔ آپؐ کی دُور رس نگاہ نے آنے والے حالات کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ میری امت میں یہ خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اس لئے آپؐ نے سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ جو کوئی میرے اُسوہ حسنہ پر چلے گا وہ کامیابی اور فلاح پا جائے گا۔ صرف نمائش اور جھوٹے وقار کی خاطر تن من قربان کر دینا کہاں کی شرافت ہے۔ اسلام نے ہمیں نمائش کرنے سے سختی سے روکا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

بنات اسلام

پردہ کی ضرورت و اہمیت

غلام رسول پنشنر ڈیرہ غازی خان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرکے اسے حسب حال صلاحیتیں بھی بخشی ہیں۔ بحیثیت انسان عورت اور مرد ایک ہی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونز کے لیے احکامات بھی جُدا جُدا ہیں۔ مرد کو سخت جان (یعنی قوام) بنایا۔ کہ وہ روزی کمانے اور دنیا کا کاروبار سنبھالنے کا کام کرے۔ اور عورت کو صنفِ نازک بنا کر اس میں لطیف کام کرنے کی صلاحیّت رکھ دی۔ غرض ہر ایک کا دائرۂ کار جُدا ہے صلاحیتیں الگ الگ اور قویٰ بھی الگ الگ ہیں۔ جس طرح ظاہر بناوٹ میں فرق ہے اسی طرح ان کی فطرت اور صفات میں بھی فرق ہے چونکہ عورت کمزور ہے اس لیے اس کی حفاظت مَرد کے ذمہ لگادی اور خود عورت کو پردہ کا حکم دے کر اس کے لیے خود حفاظت کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم پردہ کے متعلق ان الفاظ میں آیا ہے۔

ترجمہ:۔ (اے پیغمبر! اپنی بیویوں، لڑکیوں اور مسلمان عورتوں کو کہہ دے کہ وہ پردہ کی غرض سے اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا دیں تاکہ وہ پہچانی جائیں کہ وہ شریف مسلمان عورتیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بدکردار لوگوں کی ایذا سے محفوظ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے) یعنی یہ حکم اس نے محض اپنی بخشش اور رحمت کے تقاضا سے دیا ہے تاکہ عورتیں امن و عافیت کی زندگی بسر کرکے اپنے دائرہ کار میں ترقی کر سکیں۔ یہ حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے عورت کی ذات پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ وہی اس کی فطرت کو جانتا ہے کہ دنیا میں وہ کس طریق پر کار آمد اور صالح زندگی گزار سکے گی۔ پھر پردہ کی حکمت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا کہ بُرا آدمی، جس کے دل میں بدی کا مرض ہے وہ طمع نہ کرے کیونکہ جو بد ارادہ ہوگا وہ طمع کرکے عورت پر بدنظری سے ایک قسم کا حملہ کرے گا اور یہی بدنظری ایذا دہی ہے۔ چونکہ عالم نسواں، عالم رجال سے کمزور واقع ہوا ہے۔ اس لیے جب ایک مرد کی ایک عورت سے جنگ ہو تو عموماً مرد ہی غالب آیا کرتا ہے۔ پس کمزور جنس کو بد ارادہ آدمی کی ایذا سے بچنے کے لیے پردہ کا حکم دیا ہے۔۔ تاکہ مفسد آدمی نہ اُسے دیکھے، نہ ایذا پہنچائے جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کو خود حفاظتی سامان بخشا ہُئے۔ عورت چونکہ کمزور ہے اس لیے اُسے پردہ کا حکم دیا تاکہ وہ بدفطرت آدمی کی ایذا سے بچ سکے جس طرح شاہی خزانہ باوجود چوکی اور پہرہ کے مقفل رہتا ہے، اسی طرح قانونی حفاظت کے ہوتے ہوئے عورت کے لیے لازمی ہے کہ وہ شرعی پردہ کرے پس پردہ عورت کی ذات پر ظلم نہیں بلکہ احسان ہے جو خالق کائنات نے اس پر کیا ہے۔ اگر وہ اس احسان کی قدر نہیں کرتی تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے اور ناشکرہ پن ہے۔

دوسرا حکم جو اس سلسلہ میں ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں غضِ بصر کریں۔ یعنی ملاقات کے وقت نظریں نیچی رکھا کریں۔ خواہ چادر ہو یا برقعہ ہو تاکہ غیرمحرم پر نظر نہ پڑے۔ صرف یہی خیال نہ ہو کہ ہمارا تو برقعہ ہے۔ لوگ نہیں دیکھتے، بےشک لوگ نہیں دیکھتے مگر خدا تو دیکھتا ہے۔

حضرت امِّ کلثوم
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

السّلام اے امِ کلثوم! اے حرم کی آبرو
سرورِ کون و مکاں کی تیسری بیٹی ہے تو

تو خدیجہؓ کی مبارک گود کی پالی ہُوئی!
قدسیوں کی سیرت و کردار میں ڈھالی ہُوئی

جب رقیہؓ چل بسیں دنیائے آب و خاک سے
یوں کہا جبریلؑ نے آکر رسُولِ پاکؐ سے

حضرت عثمانؓ اس صدمے سے رہتے ہیں ملول
اس فسردہ خاطری سے خوب واقف ہیں رسولؐ

حضرت عثمانؓ کی تالیفِ خاطر کیجئے
تیسری بیٹی کو اُن کے عقد میں دے دیجئے

یوں خدا کے حکم سے ایسا تجھے شوہر ملا،
خلقتاً حسن و حیا کا تھا جسے جوہر ملا!

اِس جہاں سے نو نویں ہجری میں رخصت ہوگئی
اشک افشاں تجھ پہ خود چشمِ نبوّت ہوگئی

لے لیا اللہ نے دامانِ رحمت میں تجھے
حور و غلماں لے گئے دنیا سے جنّت میں تجھے

پاسباں ہے تیری قبرِ پاک کا چرخِ کبود
حشر تک بھیجیں گے تجھ پر پھول اور تارے درود

مضطر گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

کاروانِ حجاز

حرم میں داخلہ

باب السلام کے راستے اونچے اونچے نئے تعمیر شدہ برآمدوں سے ہوتے ہوئے کعبۃ الشریفہ پہنچتے ہیں۔ سامنے سیاہ غلاف میں ملبوس اللہ کا گھر ہے جسے قرآن نے سب سے پہلا گھر قرار دیا ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے بنایا گیا۔ خدا نے اُسے بیتی (میرا گھر) بھی کہا۔ اسے بیت العتیق بھی کہتے ہیں۔ عمر بھر جس قبلے کا تصوّر کر کے نمازیں پڑھیں، فرائض، نوافل اور سنتیں ادا کیں۔ سجدہ ہائے شکرانہ میں سر رکھے وہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ کرّہ ارضی کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان حاضر ہیں۔ کچھ دیواروں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ بعض آہستہ آہستہ اپنی زبان میں کچھ کہہ رہے ہیں جیسے دنیا بھر کے درباروں اور دروازوں سے مایوس لَوٹے ہوئے حاجت مند اپنے رب کے حضور اپنی حاجتیں بیان کر رہے ہوں۔ اکثریت پروانہ وار طواف میں مشغول ہے بچے، بوڑھے، جوان، عربی، عجمی، سوڈانی، انکدونی سیاہ و سفید، امیر و غریب، شاہ و گدا اپنے دنیاوی مرتبوں، رشتوں

معراجِ انسانی شروع ہُوا۔

دوسری طرف اپنے آپ پر نگاہ ڈالئے اپنی تہی دامنی اور کم مائیگی کا احساس کیجئے۔ اپنے گناہوں پر شرمندگی ہوگی اور ایسی کیفیت طاری ہو جائیگی جیسے ع

آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں

بیت اللہ کو دیکھ کر اس کی عزّت و عظمت کا اعتراف کرتے ہوتے یہ دعا پڑھئے:۔

اللّٰھم زد ھٰذا البیت تشریفًا وّ تعظیما وّ تکریمًا ومھابۃ وّ زِد من شرفہ وکرمہ ممن حجہ واعتمرہ تشریفا و تکریمًا و تعظیما و برًّا اللّٰھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا بالسلام۔

(اے اللہ! اس گھر کی عزت و عظمت، شرافت و ہیبت میں اضافہ فرما۔ اور حج و عمرہ ادا کرنے میں جو اس کی

(اے اللہ! مَیں تیرے احترام والے گھر کے طواف کی نیت کرتا ہوں، مجھے اس کی توفیق دے اور قبول فرما)

بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ واللّٰہ اکبر والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللّٰہ۔

کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائیں کہ دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف ہوں حجرِ اسود کا بوسہ لے کر طواف شروع کیجئے۔ دائیں طرف سے شروع کر کے حطیم کے باہر سے گذریئے، دل پکار پکار کر کہہ رہا ہے:۔

"اے اللہ! مَیں تیرے احکام کی تصدیق کرتے ہوئے تیرے ساتھ کئے گئے وعدہ کو پورا کرنے کا اور تیرے نبیؐ کی اتباع کا عہد کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لاتا ہوں، اے اللہ! مَیں تجھ سے عفو و سلامتی

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (آیت ۹۶)

برادریوں اور تفریق و تفاوت کے بندھن توڑ کر لبّیک اللّٰھم لبّیک پکار رہے ہیں۔ نووارد ڈبڈبائی آنکھوں اور سہمے ہوئے چہروں سے بیت اللہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز تر ہو جاتی ہیں۔ نگاہ میں تاب کہاں کہ جلالِ خداوندی کا نظارہ کر سکے۔

ایک طرف دنیا کی مقدّس ترین جگہ ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بنایا ہُوا نرالا گھر ــــ جس گھر سے راہ گم کردہ زمانے کو ہدایت کی روشنی ملی۔ اسی فضا میں ایہا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا ہ کا پیغمبرانہ اعلان گونجتا رہا۔ یہیں بلالؓ کی زبان اشہد انّ محمّد رّسول اللّٰہ کی صدائیں بلند کرتی رہی اور اسی جگہ سے

تعظیم و تکریم کرے اس کو شرافت و عظمت اور نیکی عطا فرما۔ اے اللہ! تیرا ہی نام "سلام" ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، ہم پر سلامتی بھیج)

طواف

یہ پہلا طواف "طوافِ قدوم" کہلاتا ہے اور مسنون ہے

طواف سے قبل احرام کی اوپر والی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دیا جاتا ہے اور دایاں کندھا ننگا رہتا ہے اسے "اضطباع" کہتے ہیں۔ اب حجرِ اسود کے سامنے اس طرح کھڑے ہوں کہ حجرِ اسود داہنی طرف کو رہے طواف کی نیّت کرتے ہوتے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔ اللّٰھم انی ارید الطواف بیتک المحرم فیسرہ لی و تقبلہ منّی،

اور درگذرِ دائمی چاہتا ہوں اور جہنم سے نجات کی التجا کرتا ہوں۔

اے اللہ! مجھے اس دن اپنے عرشِ عظیم کے سائے تلے جگہ دینا جس دن اس سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں رہے گا۔ اور تیری ذات کے سوا کوئی باقی نہ ہوگا۔ مجھے میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوضِ کوثر سے وہ خوش ذائقہ و خوشگوار شربت پلانا جس کے پینے کے بعد ہمیشہ کے لئے پیاس بجھ جاتے اور کسی مشروب کی ضرورت باقی نہ رہے ــــ

اے اللہ! ان امور کی توفیق دے جو تجھے پسند ہیں اور اسی راستے پر چلا جو تیرے برگزیدہ بندوں کا راستہ ہے"

رکنِ یمانی پر پہنچ کر دونوں ہاتھوں

منزل بہ منزل
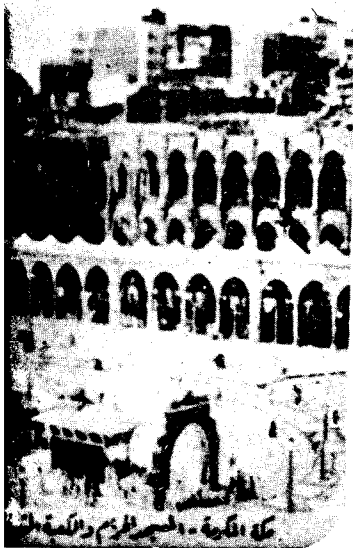
بسلسلہ رہنمائی حجاج (قسط سوم)

تحریر: الحاج حنیف رضا - لائل پور

سے اس کے کونے کو چھو کر گذریے اور رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّار۔ پڑھتے ہوئے حجرِ اسود تک آئیے اس طرح ایک چکر پورا ہو گیا۔ احادیث میں ہے کہ رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان ستّر ہزار فرشتے موجود رہتے ہیں اور ہر دعا میں آمین کہتے ہیں۔ اس طرح سات چکروں سے ایک طواف ہو گا۔ پہلے تین چکروں میں مردوں کو سنّت کے مطابق رمل کرنا چاہیئے یعنی جلدی جلدی جھپٹ کر پاؤں اٹھانا اور کندھے ہلا ہلا کر اکڑتے ہوئے چلنا — طواف میں پڑھنے کے لئے بے شمار دعائیں ہیں، کوئی بھی یاد ہو تو پڑھ لیجئے یا جو بھی آتا ہو پڑھتے رہیئے اللہ کے ہاں مقبول ہے انشاء اللہ۔

تیرے گھر کے زیر سایہ کھڑا، چوکھٹ سے لپٹ کر آہ و زاری کر رہا ہوں۔ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، اے ہمیشہ احسان کرنے والے رب! میں تیرے عذابِ دوزخ سے خائف ہوں۔

اے اللہ! میں التجا کرتا ہوں کہ میری عبادت اور ذکر و ثنا کو قبول فرما۔ میرے گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کر دے، میرے کاموں میں اصلاح فرما دے، میرے قلب کو صاف، میری قبر کو روشن اور میرے گناہوں سے درگزر فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنّت کے اعلیٰ مقام کا سوالی ہوں۔"

ملتزم کے بعد زمزم پر آ جائیے — کنوئیں سے خود پانی نکالئے یا نکالنے والے سے لے لیجئے۔ قبلہ رُو ہو کر تین سانس میں یہ دعا پڑھ کر خوب اپنی روحانی و جسمانی پیاس بجھائیے:۔

اللّٰھم انّی اسئلک علماً نافعاً و ورزقاً واسعاً و شفاءً من کلّ داءٍ

(اے اللہ! مجھے نفع بخش علم نصیب فرما۔ روزی میں وسعت و فراخی دے اور ہر مرض سے شفاء دے)

ختم ہو گیا۔ ننھی جان شدّتِ پیاس سے بلکنے لگی۔ ماں نے بیقرار نگاہوں سے پہاڑی کی طرف دیکھا کوئی انسان نظر نہ آیا۔ گھبرا کر خود پانی کی تلاش میں کوہِ صفا پر چڑھیں لیکن وہاں پانی کہاں! — کرّۂ ارض جس آبِ حیات کا منتظر تھا وہ تو ننھے اسمٰعیلؑ کے قدموں کے نیچے موجزن تھا۔ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چل پڑیں۔ نظر بچّے پر تھی کہ کوئی جانور وغیرہ نقصان نہ پہنچائے جب نشیب میں پہنچیں تو بچہ اوجھل ہو گیا۔ تیز تیز دوڑنے لگیں تاکہ مروہ کی بلندی سے اپنے لختِ جگر کو نظروں کی حفاظت میں لے لیں۔ اس کے بعد مروہ سے پھر صفا کا قصد کیا۔ رحمتِ خداوندی کو ماں کی یہ بے قراری پسند آئی اور اس کو واجباتِ حج میں شامل کر دیا — آج بھی حجّاج زمزم سے ہوتے ہوئے اسی واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ عجیب منظر ہوتا ہے۔ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰہُ بِہٖ۔ (جس کو اللہ نے مقدّم کیا میں بھی اسے مقدّم کرتا ہوں) کہہ کر اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ۔ (بے شک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) پڑھا جاتا ہے۔ بیت اللہ کی

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت واجب نمازِ طواف مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔ یہاں سے ملتزم پر آ جائیے۔ بیت اللہ کی چوکھٹ سے حجرِ اسود تک دیوار کا حصّہ ملتزم کہلاتا ہے اس سے لپٹ کر خوب روئیے اور دعا مانگیئے:۔

"اے اللہ! اے اس قدیمی گھر کے مالک! ہماری، ہمارے باپ دادا کی، ہماری ماں، بھائیوں اور ہماری اولاد کی گردنوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرما، ہمارے تمام کاموں کے انجام کو اچھا فرما۔ اے اللہ! اے صاحبِ جود و کرم! ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچا لے۔ میں تیرا ناچیز بندہ

سعیٔ صفا و مروہ

احکامِ حج کی اصطلاح میں کوہِ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کو سعی کرنا کہتے ہیں۔ چشمِ تصوّر سے طلوعِ تاریخ سے قبل کے اس دور کا نظارہ کیجئے۔ جب اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ابراہیمؑ اپنی بیوی ہاجرہ اور شیرخوار بچے اسمٰعیلؑ کو اپنے رب کی مشیّت کے مطابق چٹیل اور سنگلاخ چٹانوں سے گھری ہوئی زمین میں چھوڑ گئے۔ ماں بیٹا وہاں ٹھہرے جہاں اب حطیم بنا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے مشکیزے سے پانی

طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر حمد و ثناء، تکبیر و تہلیل کی دعا کی جاتی ہے اور صفا سے مروہ کی طرف چلتے ہیں، دونوں کا درمیانی فاصلہ ۷۶۶ گز ایک بالشت ہے۔ تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ آ جاتی ہے جہاں کبھی گھاٹی تھی اس کی نشان دہی اب چاروں سمت سبز پایوں سے کی گئی ہے جنہیں میلینِ اخضرین کہا جاتا ہے یہاں سے تیز دوڑنا پڑتا ہے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکّر، مروہ سے صفا تک دوسرا چکّر — اسی طرح ساتواں چکّر مروہ پر ختم ہوتا ہے۔ جن حجّاج نے تمتّع کا احرام باندھا تھا وہ سر منڈا کر یا بال ترشوا کر احرام کھول دیں گے اور عُمرے کی ادائیگی پر ربِ ذوالجلال کا شکر ادا کریں گے یہاں سے فارغ ہو کر سامان و رہائش کی فکر

(باقی آئندہ)

بقیہ : موجودہ جہیز کی رسم

اور اللہ تعالےٰ نے نمائش کرنے والوں کو قرآن پاک میں بار بار تنبیہ فرمائی ہے۔ معاشرے کو چاہئے کہ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث کی روشنی میں جہیز دے کر "خیرات ایک ہاتھ سے کرو دوسرے ہاتھ کو علم نہ ہو" یعنی پڑوسی کو بھی یہ علم نہ ہو کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو کیا دیا ہے اور جہیز ایسا ہو جو نہ تمہیں ہی بوجھ محسوس ہو اور نہ قوم ہی کو دُکھ ہو۔

مجھے افسوس ہے کہ پاکستان میں سیاسی پارٹیاں تو اتنی ہیں کہ حد و حساب نہیں لیکن سماجی تحریکیں آٹے میں نمک کے برابر ہیں جو بھی تحریک اٹھتی ہے۔ شروع میں تو وہ بہت زور شور سے کام کرتی ہے۔ پھر حالات کی نظر ہو جاتی ہے اور اپنی ساری توجّہ حصولِ اقتدار پر مرکوز کر دیتی ہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ یا تو ان سماجی تحریکوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی بھرپور امداد فرمائے اور ایک ایسا نظام بنا دیا جائے جس کے تحت کوئی بھی شخص جہیز کی نمائش نہ کرسکے۔

بقیہ : کلمہ طیبّہ کی فضیلت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط بہت بڑی زبردست شان، فضیلت اور بزرگی رکھتا ہے۔

اسمِ اعظم

اس کے بعد مختصراً عرض ہے کہ دوسرا حصّہ ہے اِلَّا اللّٰہُ ط یہ گویا کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط کا آدھا حصّہ آ گیا۔ اِلَّا اللّٰہُ ط اِلَّا اللّٰہُ ط۔ اس کے بعد اخیر میں آ گیا اَللّٰہُ ط (جلشانہٗ) اس کے بعد آ گیا ہو ھُوْ ــــ ھُوْ بھی اسمِ اعظم ہے ــ یاد رکھئے ــ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط بھی اسمِ اعظم اِلَّا اللّٰہُ ط بھی اسمِ اعظم، اَللّٰہُ (جلشانہٗ) یہ بھی اسمِ اعظم اور ھُوْ بھی اسمِ اعظم ــــ یاد رکھئے۔ بزرگانِ دین نے لکھا ہے ؎

ہر کہ گوید اللہ اللہ صبح شام
آتشِ دوزخ بروگردد حرام

جو شخص صبح شام اللہ اللہ کہتا ہے، پڑھتا ہے، ورد رکھتا ہے اس کا، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

حلاوتِ ایمان

بھلا اس کے حرام ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ـــ وجہ یہ ہے ــــ خدائے قدّوس وحدہٗ لاشریک کا نام نامی اسمِ گرامی جو ہے نا اَللّٰہ (جلشانہٗ) اسمِ جلال، اسمِ ذات، اتنی خوبیاں ہیں اس کے اندر اتنے راز ہیں جو کہ تحریر و تقریر اور بیان سے باہر ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کچھ لکھا ہے اس پر ؎

اللہ اللہ ایں چہ شیریں نفس نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

جس طرح دودھ میں کھانڈ ملا دینے سے اس کی شیرینی اور مٹھاس اور لذّت دوبالا ہو جاتی ہے۔ روح میں جو رُوح ہے اس کو بھی حلاوت نصیب ہو جاتی ہے اور اسی کا نام ہے حلاوتِ ایمان، حلاوتِ اسلام، مٹھاس، چاشنی، مزا، جس کا نام ہے ذوق۔ خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک جلشانہٗ مجھے اور آپ کو یہ ذوق نصیب فرمائیں، اس نعمت سے مالا مال فرمائیں۔

ھُوْ اسمِ ذات ہے

آگے فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ ایں چہ نام خوش مذاق
حرف حرفش مے دہد جاں را رواق

ایک ایک حرف جو ہے لفظ اَللّٰہُ ط (جلشانہٗ) کا یہ روح کو تازگی بخشتا ہے یعنی روح کو بھی زندگی اللہ تعالےٰ کے نام کے ساتھ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے ـــ اللہ تعالےٰ نے جسم کے ساتھ جو روح پیدا فرمائی ہے جس کے سارے کارنامے ہیں، دیکھنا، سننا، کھانا، پینا، جانا، آنا، کاروبار، لین دین یہ سب روح کے کارنامے ہیں۔ یہ ہمارے وجود کے، ہاتھ پاؤں کے نہیں ہیں ـ یہ تو روح کے اندر بھی ایک روح ہے ؏

حرفِ حرفش مے دہد جاں را رواق

جاں، جانِ جاناں، جاں، یعنی روح کا اگر بقاء ہے، روح کی اگر حیاتی ہے تو اللہ تعالےٰ کے نام نامی اسمِ گرامی کے ساتھ ہی ہے۔ تو حرفِ حرفش، اللہ تعالےٰ کے نام نامی کا ایک ایک حرف روح کو تازگی بخش رہا ہے۔ سبحان اللہ، اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (النور ۳۵) اَللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ہ (آل عمران ۲۸) اَللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ یہ قرآن مجید کی آیتیں سنا رہا ہوں میں آپ کو۔ اَللّٰہُ جَلَّ شَانُہٗ۔ الف کو علیحدہ کر دو۔ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــ چلو لام کو بھی علیحدہ کر دو۔ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ چلو دوسری لام کو بھی علیحدہ کر دو، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوْ۔ یہ اَللّٰہُ نہیں ہے اَللّٰہ ھُوْ ــــ یہ ھُوْ ہے۔ اس پر سارے صوفیائے کرام کا اتفاق ہے کہ ھُوْ ہی مقصود ہے۔ اور ھُوْ ہی اسمِ ذات ہے اور آخری وِرد اور آخری وظیفہ، آخری مقامات صوفیہ ھُوْ ہی پر ختم ہوتے ہیں

دعا

خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک جلشانہٗ آپ کو اور مجھ کو ان معارف اور حقائق سے کامیاب بہرہ یاب اور خوش نصیب فرمائے، پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ میرا آپ کا خاتمہ اسلام و ایمان پر فرمائے۔ (آمین)

سمندری میں تحفظ ختم نبوّت کانفرنس

مورخہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ذوالحجہ مطابق ۵، ۶، ۷، مارچ کو منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد لقمان مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا محمد ضیاء القاسمی، سید امین گیلانی۔ سائیں محمد حیات پسروری و دیگر علماء کرام شرکت فرمائیں گے۔

جامعہ رشیدیہ بھکر کا سالانہ جلسہ

مورخہ ۳۰، ۳۱ رجنوری و یکم فروری مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳، ذی قعدہ بروز جمعہ ہفتہ اتوار منعقد ہو رہا ہے جس میں مولانا محمد عبداللہ درخواستی مولانا عبیداللہ انور، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا غلام غوث مولانا محمد علی جالندھری، علامہ خالد محمود محمد قریشی، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا محمد ضیاء القاسمی کے علاوہ ملک و ملت کے نامور علماء کرام و مشائخ عظام شرکت فرما رہے ہیں۔

درس قرآن

قرآن مجید کی تعلیمات

از: مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ ——— مرتبہ: محمد عثمان غنی

دوسری بات فرمائی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ۔ میں اپنی امت کو حکم دیتا کہ ہر نماز کے لئے جب وضو کریں تو مسواک کریں۔ اسی پر بات میں نے آپ کی خدمت میں عرض کرنی چاہی تھی کہ آج دیکھیں چودہ سو سال کے بعد دنیا میں آپ کسی بھی ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے کسی رسالے میں پڑھا ہے کہ امریکہ میں تو تقریباً سارے کے سارے دانت مصنوعی ہوتے ہیں۔ اور ڈاکٹر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ساری بیماریاں کہاں سے پیدا ہوتی ہیں؟ دانت سے۔ ان کو تیرہ سو سال کے بعد پتہ چلا کہ دانتوں سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور نبئ امّی جناب محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے فرما دیا۔ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ —— میں تمہیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے لئے مسواک کرو، اگرچہ حکم نہیں دیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، فرض نہیں قرار دیا، لیکن مسواک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند تھی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جس نماز کے لئے مسواک کی جائے وضو کرتے وقت، اُس میں سے ستائیس گُنا ثواب ملتا ہے اس نماز سے زیادہ جو بلا مسواک کے پڑھی جائے۔ مگر آج ان باتوں کے ساتھ مسلمان مذاق کرتا ہے۔ ٹوتھ پیسٹ جو ہم بنتے ہیں ان کے ساتھ تو مذاق کبھی نہیں کیا اور مسواک کے ساتھ مسلمان مذاق کرتا ہے کیونکہ یہ ارشاد ہے جناب محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

یاد رکھیں میرے بھائیو! میں ہمیشہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ کفر کے لئے کوئی سینگ نہیں لگتے۔ کفر کے دو اسباب ہیں۔ انکار اور استخفاف۔ اللہ کی بات کو نہ ماننا، انکار کر دینا کہ نہیں مانتا اللہ کی بات کو —— کافر ہو جائے گا۔ کہتا ہے "اللہ کی بات کو مانتا ہوں" لیکن اللہ کی بات کو ہلکا سمجھتا ہے، اللہ کی بات کے ساتھ مذاق کرتا ہے، دین کی بات کے ساتھ تمسخر کرتا ہے، استہزاء کرتا ہے، —— فوراً کافر ہو جائے گا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہے، اُس کے مسلمان سمجھنے سے کچھ نہیں بنتا۔ فیصلہ تو خدا کرتا ہے۔ نیّت بدنیّتی کا سوال ہی نہیں ہے تحقیقات کا سوال ہی نہیں ہے۔ ہم مکلّف ہیں، جو امر من جانبِ اللہ ہو اُس پر عمل کریں۔

میں عرض خدمت میں یہ کر رہا تھا کہ یہاں پر نتیجے کے طور پر فرمایا، قرآن مجید میں چار قسم کی تعلیمات ہیں۔ بات یہاں سے چلی تھی۔ ویسے سارے کا سارا قرآن ہادی ہے، سارے کا سارا قرآن ہدایت ہے، سارے کا سارا قرآن نور اور ضیاء ہے، لیکن جو بنیادی طور پر چار مسائل قرآن نے بیان فرمائے اُن کو پھیر پھیرا کر اُسی مسئلے پر قرآن ختم کرتا ہے اپنی مختلف توضیحات میں —— پہلا مسئلہ ہے توحید کا۔ جناب باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کو واحد لاشریک ماننا، اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں، اللہ کی صفات میں کوئی شریک نہیں، اللہ کے افعال میں کوئی شریک نہیں اور یہی سبق مسلمان کو پڑھایا گیا۔ کہاں پڑھایا گیا؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہ تمام صفتیں اللہ کا حق ہیں۔ یہاں پر ایمان بالصفّات بیان ہوا۔ صفات ساری کی ساری اللہ کا حق ہیں —— تو سارے کا سارا قرآن تقریباً توحید کی طرف پہلے بلاتا ہے۔ دوسرے نمبر پر جو قرآنی تعلیمات ہیں وہ رسالت ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ اللہ کے نبیؐ کو رسول مانو اور رسولؐ نے جو تعلیمات دی ہیں اُن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو اور یہ فکر بھی نہ پیدا کرو کبھی کہ ہم ان تعلیمات سے کسی طرح پیچھا چھڑائیں۔ اللہ! ہم سب کو سمجھ نصیب فرمائے۔ دیکھئے قرآن کے الفاظ میں پیش کر رہا ہوں۔ اللہ ارشاد فرماتے ہیں وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (النسآء ۱۱۵)۔ میں لفظی ترجمہ کرتا ہوں تشریح آپ خود سمجھ لیں۔

دیکھئے ارشاد کیا فرمایا؟ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ، جس نے دُوری اختیار کر لی اللہ کے رسولؐ سے، ہٹ گیا اللہ کے رسولؐ کی پیروی سے، رسولؐ سے ہٹنے کا مطلب کیا ہے؟ رسولؐ کے مکان کے ساتھ مکان بنا لے —؟ رسولؐ کے ساتھ بیٹھ جائے (صلی اللہ علیہ وسلم) —— یعنی جس نے امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات سے دوری اختیار کر لی —— اب امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات سے دُوری اختیار کرے گا تو کیوں کرے گا؟ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اور اس نے پیروی شروع کر دی اُس راستے کی جو ایمان والوں کا راستہ نہیں ہے، کسی اور کا راستہ ہے —— تو پھر ہم کیا کرتے ہیں؟ اُس کی منّتیں کرتے ہیں کہ آ جا بھائی! —— نہیں، اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس سے پھر ناراض ہو جاتا ہوں۔ اللہ اس وقت غضب میں آ جاتے ہیں۔ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی، ہم اس کو دھکیل دیتے ہیں جدھر وہ دفع ہوا۔ اللہ پھر بلاتے نہیں۔ جس نے کہ اللہ کے نبیؐ کے راستے کو چھوڑ دیا اور اللہ کے نبیؐ کے راستے میں تنقیدیں شروع کر دیں۔

دیکھیں، قرآن نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ہ (آل عمران ۸۵)

وَمَنْ یَّبْتَغِ، کیا معنیٰ ہے ابتغاء کا؟ جو ڈھونڈنے لگے —— ابھی ملا نہیں ہے۔ خیال کرتا ہے دل میں کہ یار اسلام میں جو پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی گئی ہیں، کتنا ہی اچھا ہوتا کہ تین ہوتیں —— بس گیا،

کافر ہو گیا۔ اس تصور سے کافر ہو گیا۔ یعنی کفر کے ساتھ کوئی سینگ نہیں لگا کرتے۔ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ جس کسی نے تلاش بھی کیا ـــــ ابتغاء ـــــ تلاش کرنا، ڈھونڈنا ـــــ جس کسی نے ڈھونڈا ہے اسلام کے سوا کسی اور دین کو، دیکھئے یہاں پر نہ قرآن کا ذکر ہے نہ حدیث کا ذکر ہے۔ آج یہ بھی غلغلہ بلند ہوتا ہے ـــــ یہ کڑیاں ہیں، جو کھُلتے کھُلتے کھُلتی جاتی ہیں۔

ایک بہت بڑا منکرِ حدیث گذرا ہے۔ جب وہ فارغ ہوا تو اس نے سب سے پہلے یہ کیا کہ، ہدایہ وغیرہ پڑھاتا تھا لاہور میں اور وہیں کہیں مُردار ہوا۔ تو ایک دن اس نے یہ کیا کہ دو اینٹیں رکھ کر ـــــ پختہ اینٹیں ـــــ ہدایہ ہمارے فقہ حنفی کی بہت بڑی کتاب ہے جس کے متعلق یورپ کے وکلاء بھی یہ کہتے ہیں کہ کہ اس شخص کو بہت بڑا بلند دماغ عطا ہوا ـــــ علامہ مرغینانی نے اس کتاب کو مرتب کیا جس کے مزار کی زیارت کے لئے بابر جیسے بادشاہ بھی تشریف لے گئے (رحمۃ اللہ علیہما) ـــــ تو اس بدبخت نے اینٹیں رکھ کر اوپر رکھا ہدایہ کو، ہدایہ بڑی موٹی کتاب ہے، وقایہ لگا ہوا تھا۔ پھر وہ اس کی چوکی بنا کر اوپر بیٹھ گیا، اور غسل کیا ہدایہ پر ـــــ یہ بتایا اپنے شاگردوں کو، اپنے معتقدین کو کہ دیکھو! میں اُس کے اوپر غسل کر رہا ہوں، میرا کیا بگڑا؟ وہ سمجھا نہ تھا کہ اس ہدایہ میں قرآن تھا، اُس ہدایہ میں حدیث تھی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ـــــ اللہ کے دین کی بے ادبی کرنے والے بڑے سخت نقصان میں رہتے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی گذرے ہیں۔ اہلحدیث کے صدر تھے، بہت بڑے مصنّف بھی گذرے ہیں اور بہت بڑے اچھے عالم تھے ـــ انھوں نے اپنی کتاب تذکرہ علماء حدیث کے شروع میں لکھا ہے کہ ایک دن میں باہر بیٹھا ہوا تھا اور کچھ کتابیں وغیرہ دیکھ رہا تھا کہ میرے دل میں کچھ ایسی ہی بات پیدا ہوئی، میں اندر گیا الماری سے ایک کتاب نکالنے کے لئے، اتنے وقفے میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق میرے دل میں کچھ بدگمانی سی پیدا ہوئی میں اندر آیا تو میں اندھا ہو چکا تھا میں نے استغفار کی، توبہ کی، اللہ نے مجھے پھر نظر عطا کی۔ اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ ـــــ کیا سمجھتے ہیں ہم ان لوگوں کو؟ امام ابوحنیفہؒ کی زندگی؟ امام ابوحنیفہؒ نے چوبیس سال تک عشاء کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی ہے ـــــ تو رات کو ناچتے ہوں گے؟ ـــــ کیا کرتے ہوں گے؟ ـــــ ساری ساری رات اللہ اللہ کرتے تھے۔ اور آج فقہ حنفی کو مدوّن کر کے ہمارے سامنے پیش کیا جس پر ہم آٹھ سو سال تک عمل کرتے رہے۔ اسی کو اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں مرتّب کیا۔ فتاویٰ عالمگیری حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا جسے عرب لوگ فتاویٰ ہندیہ کہتے ہیں۔ مصر تک وہ مقبول تھا ـــ مگر آج مسلمان یہ کہتا ہے کہ ہائے ہمارے پاس کوئی نظامِ حیات نہیں ہے اللہ مسلمان کو سمجھ نصیب فرمائے۔

ابھی جو آیت میں نے پڑھی آپ کے سامنے مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ ـــ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تین سو مرتبہ قرآن کریم کا مطالعہ کیا ایک مسئلہ ڈھونڈنے کے لئے۔ کون سا مسئلہ؟ کہ اجماعِ امّت دلیل ہے۔ ہماری جو فقہ حنفی ہے اس کے چار ستون ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) کتاب الرسولؐ (۳) اجماعِ امّت اور (۴) قیاس ـــ تو وہ ڈھونڈتے تھے قرآن کریم کی ہدایت کو کہ ہمیں کہیں واضح نص مل جائے کہ اجماعِ امّت بھی دلیل ہے۔ تو اس کے لئے آپؒ نے تین سو مرتبہ قرآن مجید کو پڑھا۔ آخر جا کر یہ آیت سامنے آئی وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ـــــ یہ سبیل المومنین کیا ہے؟ اجماع ہے جس راستے پر مومن چلتے ہیں (مسلمان نہیں) جس راستے پر مومن چلے ـــــ دین والے چلے، جس راستے پر چلے ابوبکر صدیقؓ، جس راستے پر چلے عمر فاروقؓ، جس راستے پر چلے، عثمان غنیؓ، جس راستے پر چلے علی مرتضیٰؓ جس راستے پر چلے امام ابو حنیفہؒ، جس راستے پر چلے سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ جس راستے پر چلے خواجہ معین الدین اجمیری چشتیؒ، جس راستے پر چلے محمد قاسم نانوتویؒ یہ ہے سبیل المومنین ـــــ اُن کو تو یہ باتیں سمجھ نہ آئیں جن کے علوم سے فرشتے بھی شرماتے تھے، جن کو اللہ نے وہ علوم عطا کئے، وہ فنون عطا کئے، وہ روحانی بصیرتیں عطا کیں کہ جن کے سامنے بڑے بڑے علماء نے زانوئے ادب تہ کئے، وہ تو ایسی باتیں نہ سمجھ سکے۔

میں عرض یہ خدمت میں کر رہا تھا۔ قرآن مجید نے کیا فرمایا؟ استخفاف کی بات آئی تھی کہ دیکھئے اللہ تعالےٰ کے دین کو چھوڑنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے تکذیب اور ایک ہے استخفاف۔ تکذیب کا معنیٰ اللہ کی بات کو جھوٹا کہہ دینا (نعوذ باللہ) اس سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے ـــــ اور استخفاف کا معنیٰ، اس کو ہلکا سمجھنا۔

(باقی آئندہ)

اسلام انسانی زندگی ہی کو بہتر بنانے کو آرٹ سمجھتا ہے اور اسی کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دیتا ہے اور کہتا ہے خدا کے بندو روح کو پاک اور دل کو صاف رکھو۔ جو انسان دل کی صفائی نہیں رکھتا وہ باہر کی صفائی پر کیوں مرمٹتا ہے۔ شعر و شاعری، مصوری، بت تراشی۔ رقص و سرود ان چند افراد کی خوشیوں کا باعث ہو سکتے ہیں جو فکر و فاقہ سے آزاد ہوں۔ مگر اس بھوک سے ماری مخلوق کو ایسے آرٹ سے کیا جن کا جی سہارنے کے قابل نہیں اور فاقہ مستی نے جن کو پنجر بنا کر چھوڑ دیا ہے وہ مردہ گھاٹ سے اٹھ کر آئی ہوئی روحیں نظر آتی ہیں بلکہ ان سے بھی مہیب تر ہیں۔ سچا مذہب انسانی خوشیوں کا محرک نہیں ہو سکتا جو روح کو داغدار کر جائیں نہ ایسے آرٹ کو پسند کرتا ہے جو عوام کی زندگی بہتر بنانے میں مددگار نہ ہو۔

مذہب راگ و رنگ اور دوسرے آرٹ

چودھری افضل حق مرحوم

راگ یوں بھی دل پر کیا رنگ جماتا ہے مگر جب آواز کے ساتھ ساتھ شامل ہو جائے تو دل پر جادو سا ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضا میں نشہ برس رہا ہے یا یوں کہ گویا کوئی حسینہ کاجل لگا کر سکون دل برباد کرتی جا رہی ہو۔ خدا نہ کرے زاہد اگر آواز کے ساتھ ساز اور کسی آفت جان کا رقص بھی دیکھ لے تو جذبات سانپوں سے کھیلنے لگیں اور لمبی عبادتیں اور خشک ریاضتیں رنگین اداؤں میں ڈوب جائیں تو ڈوبے ہوئے بیڑے کے ملاح کی طرح ایک کنارے پر بیٹھ کر سسکیاں بھرنے لگے۔ حسین راگ، پرسوز آواز، عمدہ ساز اور روپ رانی رقاصہ، قلب کی کیفیت کو بدلنے میں سحر سامری سے کم نہیں کوئی بتا دے اس دنیائے رنگ و بو میں ان چار پاکیزہ عناصر کی ٹکر سے خوشیاں لٹانے والی اور مسرتیں بانٹنے والی کوئی اور چیز بھی ہے کیونکہ گیت کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ دل جھولے کی طرح آسمان اور زمین کی خبریں لاتا ہے، اسی لیے جذبات اسفل کے دلدادہ امرار اور ارباب اقتدار نے مسرت کے ان چار گانہ سرچشموں کو زور اور زر سے حاصل کرنا چاہا اور ملک بھر بزرگوں نے اسے روح کی رخصت کا ذریعہ بنایا۔

مسرت کے اور بھی مہینے ہیں مگر وہ زیادہ جذبات انگیز نہیں کالی گھٹا جب جھوم کے اٹھے۔ برہ کی ماری کوئل جب آموں کی سبز ٹہنی پر بیٹھی پی پی پکارے۔ دریا کے تیز دھارے جب پتھروں سے سر ٹپکتے اور دامن جھٹکتے عاشق زار کی طرح شور و شیون اٹھاتے جائیں۔ مہتاب جب بادلوں کی ہلکی ردا میں دوڑتا بھاگتا اور آنکھ مچولی کھیلتا پھرے۔ آفتاب جب طلوع و غروب کے حسین نظارے پیش کرے ایسے میں کون ایسا انسان ہے جو لوٹ پوٹ نہ ہو جائے۔ بادل برس جانے کے بعد آکاش کی نیلم پری کو نیلی ساڑھی میں توس وقزح کی گوٹ ٹانکے کھڑی دیکھ کر اور لیلیٰ شب کے ماتھے پر نشان چینی پا کر کون محظوظ نہیں ہوتا مگر ان مظاہر قدرت پر خوش نظر ڈالنے سے دل میں دھیری دھیری لہریں تو اٹھتی ہیں مگر سینے میں طوفان برپا نہیں ہوتا۔ جنہیں طوفانوں میں کشتی کھینے کا شوق ہے وہ نرم رو ندی کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے حجاب تاب دوشیزہ کا تبسم انہیں نہیں بھاتا جو آبرو باختہ عورتوں کے قہقہوں میں کھو گئے ہوں۔ سفلی آرزوؤں کی تسکین چاہنے والے متذکرہ چہارگانہ عناصر سے اپنے رنگین عیش کو دو آتشہ کرتے ہیں عرف عام میں اس کا نام راگ و رنگ ہے

بعض عشق الٰہی کے مدعی اہل مذہب نے راگ رنگ کے چارگانہ عناصر کو دین کا جز قرار دے کر عبادت گاہوں کو جنت نگاہ اور فردوس گوش بنا دیا۔ جہاں عشق کے مضراب نے درد بھری آواز بخشی اور حسن کے پرمیشور کی داسیوں نے مدھری سروں میں رادھے شام کی آرتی اتاری۔ شراب جتنی تیز ہوگی۔ سرور کی عارضی فراوانی کے بعد اترتے نشے کے ساتھ ساتھ نڈھال اور جان مضمحل سی کرتی جائے گی۔ ساقیا اور لا اور اس کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ دھرم ہردم راگ و رنگ کے بغیر مسرت کے متلاشیوں کو آرام نصیب نہ ہوگا۔ ساز و سرور کے بغیر ایشور بھگتی کا مزہ نہ رہے گا۔ حالانکہ سچی خوشی قلب کی خوشگوار کیفیت کا نام ہے۔ عشق حقیقی خارجی سازوں اور آوازوں کا محتاج نہیں، مگر جس چیز کی چاٹ لگ جائے سب کچھ چاٹ کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اس رنگ رنگیلی دنیا میں آرزوؤں کی تکمیل جب راگ رنگ پر منحصر ہو جائے تو دنیا میں قدرت کے ہزاروں حسین جلووں میں خوشی کا سامان نہیں ملتا۔ دم بدم ساز ہو اور مست آواز ہو۔ پھر سرور کی کچھ پرکھ پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں ذرا تان ٹوٹی وہیں جان جسم سے چھوٹی۔ گویا کسی نے نشے میں ترشی ملا کر عیش کو کرکرا کر دیا۔ بادہ نوش مغلوں کی عیش پرستی تو مشہور ہے بابر جو قدرت سے قدرتی چیز تھی قسمت لایا تھا۔ اکثر موج شراب سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ کسی دن بابا نانک سے دوچار ہوا۔ مے نوشوں کے نزدیک شراب ناب سے زیادہ نایاب اور جاں بخش تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے ایک چھلکتا جام گرو جی کے پیش کیا جنہیں ہر وقت عشق الٰہی کا نشہ چڑھا ہو وہ مے کی گلگونیوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ کہا شہنشاہ ہم تو ایسی شراب پیتے ہیں۔ جس کا نشہ کبھی نہیں اترتا۔ اس وقت نانک کی آنکھوں سے نشہ برستا تھا۔ جس سے بابر سرشار ہو گیا اور اپنی خاموشی سے بابا نانک کی سچائی کی تصدیق کی۔ غرض سچی خوشیاں اور عشق حقیقی خارجی عناصر پر منحصر نہیں باوجود اس کے سرمدی اور ابدی مسرتوں کے متلاشیوں نے اپنی تسکین کے لیے ساز و سرود کا سہارا لیا۔ اسلام کے سوا کون سا مذہب ہے جس نے ساز خوش آواز اور حسن کو پروردگار حسن کے حضور میں پہنچنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ تو کیا اسلام بے برگ و بار اور خشک جنگل کا ٹنڈ منڈ درخت ہے جس کو دیکھ کر وحشت ہو اور جو رنگ اور رنگینی

سے یکسر محروم ہو۔ شاید اس طعنے کا جواب دینے کے قوال سارنگی کے سوز اور طبلے کی تھاپ کے ساتھ خانقاہوں میں عشق کی دہائی دینے لگے اور حسن والیاں دلپذیر رقص اور گھونگھروؤں کی آواز سے بزرگوں کے مزار پر قیامت اٹھانے لگیں۔ شاید یہی حسن کے بازار میں حسین شرافت کے کھلے مندروں اس طرح سوداگری ہوتی ہوا جس طرح پاکبازوں کی خانقاہوں پر آنکھوں آنکھوں میں عشق و حسن کا مول تول کرتا ہے مذہبی زیارت گاہوں اور عبادت گاہوں میں راگ و رنگ کی محفلیں ہرچند انسانی تاریخ میں ناکام تجربے کے طور پر لکھی جائے گی مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض پاکدامن لوگوں نے اپنے شوق مذہبی اور ذوق دینداری میں اسے باعث ترقی سمجھ کر مندروں اور خانقاہوں میں راگ و رنگ کو رواج دیا لیکن جو حکم خاص کے لیے ہے وہ عام کے لیے نہیں ہے۔ عوام کا اخلاق تو محفل سرور اور مجلسِ رقص ہے۔

آپ بیتی

مذہب اور اخلاقیات کی بحث سے درگزر رقص و سرود کا اثر قوت عمل پر دیکھو کون منکر ہے کہ راگ اور رنگ تفریح عامہ کا بہترین سامان ہے مگر یہ قوتِ عمل کا محرک نہیں بلکہ طبیعت پر ایک منفی اثر چھوڑ جاتا ہے۔ میرے اپنے قلب کی کیفیت تو یہ ہے کہ جب راگ کا رنگ جم جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساون میں جھولا پڑا ہے اور پریاں دھیرے دھیرے پینگیں بڑھا رہی ہیں اور مخمل کے نرم تکیوں کے سہارے جھولے میں لیٹا خوشگوار خواب کے مزے لے رہا ہوں۔ ایسے میں اٹھنا کیسی قیامت ہے۔ بعض اوقات تو ہفتوں یہی حال رہتا ہے۔ ان دنوں کام کو اٹھنا جواناں مرگوں کا کام ہے ایک دن کسی پریشان حال نے لعنِ داؤدی میں فرمایا:-

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
کوئی عمر رفتہ کو آواز دینا

بس پھر گیا تھا حسب معمول کوہ قاف کی پریوں کے روایتی غول میں جا پہنچا وہ دھیرے دھیرے تلوے سہلانے لگیں میں آہستہ آہستہ سونے لگا۔ جب آنکھیں کھلتا تو رنگین جھولے میں اپنے آپ کو خواب ناز میں پاتا۔ وہ ہلکی ہلکی جھولا جھولائیں اور مدھم سروں میں یہ گاتیں :-

باغوں میں پڑے جھولے
تم بھول گئے ہم کو ہم تم کو نہیں بھولے

اگر کوئی اس خواب شیریں سے مجھے بیدار بھی کر دیتا تو پھر مجھے کسی کے لہرا لہرا کر گانے کی آواز آتی گویا کوئی غزل کے ہم آہنگ ساز طلب کرتا ہے اور روٹھی جوانی کو منا لانے کے لیے کسی کی منتیں کرتا ہے اور میں پھر اسی حال اور انھیں کیفیتوں میں کھویا جاتا۔ اور ابھی تھوڑا عرصہ ہوا، دوستوں نے خاص مہربانی سے مجھے راگ و رنگ کا شوقین سمجھ کر ریڈیو والے کمرے میں میرا بستر لگوا دیا۔ جیل کی زندگی سے واقف جانتے ہیں کہ وہاں کیسی خاموشی ہوتی ہے۔ ایسی خاموش رات میں ایک ریکارڈ جس کے ابتدائی بول تھے۔

ذرا باجے بانسری

لگا ہاتھ۔ وقت کی بات ہوتی ہے ساز اور آواز نے مسرت کے دریا بہا دیئے ایسا معلوم ہوا کہ چاندنی رات میں میں خوبصورت بجرے پر سوار دریا کے دھارے کے ساتھ ساتھ بہا جا رہا ہوں اور مدہوش کرنے والی آواز پیہم میرے کانوں میں آ رہی ہے میرے

میرے ہوئے وہ میں جن کی ہولی
ہولی کے دن ہولی آئی رے
ذرا باجے بانسری

کئی راتیں انھیں کیفیتوں میں گذر گئیں ہر رات یہی صورت تھی کہ میں بجرے میں لیٹا دھیرے دھیرے اسی طرح دریا کے ساتھ ساتھ بہا جا رہا ہوں اور کوئی حسین مغنیہ پاس بیٹھی دل کے تاروں کو مضراب سے چھیڑ چھیڑ کر وہی میٹھا راگ گا رہی ہے۔

میرے ہوئے وہ میں جن کی ہولی
ہولی کے دن ہولی آئی رے
ذرا باجے بانسری

یوں تو مجھ پر کئی مرتبہ یہ کیفیت گذرتی ہے کہ کوئی ریکارڈ دل کو بھا گیا یا سوزِ دل گاتا کوئی گزر گیا تو قلم یا کتاب ہاتھ سے نکل گئی اور میں محبت کی رنگین وادی میں خوش وقت سونے کے لیے چلا گیا۔ اسلام کا تصور میں اپنے حال سے دوسروں کی کیفیاتِ قلب کا اندازہ کروں تو قوم کو یہی مشورہ دوں کہ راگ و رنگ کی بیماری سے بچو، عمل کی دنیا میں کچھ کام کر کے دکھانا ہے تو اس نشے کو بھی نہ لگاؤ۔ راگ کے رسیا اور شراب کے متوالے میں صرف مہک جانے کا فرق ہے ورنہ دونوں بے کار ہو جاتے ہیں، شراب شیر کی طرح راگ اور رنگ انسان کو جہادِ زندگی کے قابل نہیں چھوڑتے — طبیعت کو رنگین راہوں پر ڈال کر مجاہدوں کی اولاد کو واجد علی بنا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی راگ کو شامل دین نہ کرنے پر افسوس آتا تھا۔ کبھی وہم گزرتا تھا کہ کیا اسلام ہر آرٹ کا دشمن ہے۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ اسلام کا مشورہ درست ہے ہر وہ چیز جو شراب کی طرح نشہ آور اور مضمحل کرنے والی ہوگی وہ مجاہد قوم کے لیے حرام ہوگی۔ عمدہ آواز حرام نہیں اور نہ اچھے جذبات کو پاکیزہ سروں میں گانا ممنوع ہے۔ ہر آرٹ کو جہاد زندگی کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو۔ جو آرٹ روح جہاد کو فنا کرے یا نقصان کا باعث ہو۔ بروئے مذہب منع ہے۔ اسلام میں کسی چیز کی ممانعت ہے تو حکمت کی بنا پر ہے — بے شک اسلام شراب و شعر اور راگ رنگ کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، ان چیزوں میں خوبیاں ہیں۔ مگر ان کی مضرتیں ان کے فوائد سے زیادہ ہیں۔

رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:- خدمتِ عوام زمانے میں سب سے بڑا آرٹ ہے۔ نیز ہر مکتب فکر کے لوگوں نے راگ رنگ کی مخالفت کی ہے مثلاً دورِ حاضر کے سب سے بڑے لینن اور ہندوستان کے مہاتما گاندھی کے قیاس راگ و رنگ کے مقابلہ میں اسلام کے نظریے سے مختلف ہیں۔ لینن نے اپنے ایک خط میں اقرار کیا ہے کہ راگ کے لیے میرے کان نہیں۔ گاندھی اس آرٹ کو جس کو سمجھنے میں خاص مہارت درکار ہے مردود قرار دیتا ہے اور اس کے علاوہ اِنسانی آرٹ کے متعلق یہ رائے رکھتا ہے۔

(۱) اِنسانی زندگی آرٹ سے وقیع تر ہے اور وقیع تر ہونی چاہیئے۔

(۲) جب میں سر پر ستاروں سے روشن آسمان کو دیکھتا ہوں اور اس کی خوبصورتی کا تصوّر کرتا ہوں۔ یہ ضیافت نظر کا سامان کرتی ہے تو میرے لیے یہ منظرِ انسانی آرٹ سے کہیں زیادہ خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اِنسانی صناعوں کو

نظر انداز کرتا ہوں۔ لیکن ذاتی طور پر میں انسانی آرٹ کی بے حیثیت کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہوں۔

اسلام انسانی زندگی ہی کو بہتر بنانے کو اہم آرٹ سمجھتا ہے اور اسی کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا کے بندو! روح کو پاک اور دل کو صاف رکھو جو اندر صاف نہیں رکھتا وہ باہر کی صفائی پر کیوں مرمٹتا ہے؟ شعر و شاعری مصوّری، بت تراشی رقص و سرود ان چند افراد کی خوشیوں کا باعث ہو سکتے ہیں جو فکر و فاقہ سے آزاد ہوں۔ مگر اس بھوک سے ماری مخلوق کو آرٹ سے کیا جن کا جسم یہ بوجھ سہارنے کے قابل نہیں اور فاقہ مستی نے جن کو پنجر بنا کر چھوڑ دیا ہو۔ وہ مردہ گھاٹ سے اُٹھ کر آتی ہوئی مردہ روحیں نظر آتی ہیں بلکہ ان سے بھی مہیب تر مذہب فانی خوشیوں کا محرک نہیں ہو سکتا جو روح کو داغدار کر جائیں نہ ایسے آرٹ کو پسند کرتا ہے جو عوام کی زندگی بہتر بنانے میں مددگار نہ ہو وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں عظیم انقلاب برپا کیے آرٹسٹ نہ تھے، انقلاب اور آرٹ میں بڑا بیر ہے یوں کہو کہ انقلابی اجتماعی آرٹ ایسے ہوتے ہیں وہ اعلیٰ طبیعتوں کے چند لوگوں کی خوشیوں کا سامان فراہم نہیں کرتے بلکہ سچا انقلابی انسان، سوسائٹی کی بنیاد ہی پر اینٹوں کو وضع کرتا ہے اور قوموں کو نئے اور عمدہ سانچے میں ڈھالتا ہے تاکہ زندگی کی خوشیاں ہر ایک کے حصے میں آئیں۔ تمام پیغامبر سچے انقلابی اور عمدہ آرٹسٹ تھے وہ انسانی روح اور قومی زندگی کو خوبصورت اور پاکیزہ بنانا چاہتے تھے۔ لینن اور گاندھی بھی بڑے آرٹسٹ تھے وہ اپنے رنگ میں خلقِ خدا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور عوام کا درجہ بلند دیکھنا چاہتے ہیں تاہم دنیا کے سارے انقلابی آرٹ کی اس بلندی پر نہیں پہنچے جو اسلام کے پیش نظر ہے۔ حقیقی آرٹ کا سرچشمہ محبت ہے۔ خدمت خلق محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسلام امن اور سلامتی کا مذہب وہ قلب میں خدا کی محبت پیدا کر کے مخلوق کی خدمت کا بے پناہ جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مصوّر جو مو قلم کی جنبشوں سے ایک حیادار آنکھوں والی حسین دیہاتی دوشیزہ کی رنگین تصویر کھینچنے کے لیے خوبصورت پس منظر کی جستجو میں مارا مارا پھرتا ہے اور حسین تصوّرات میں کھویا کھویا سا رہتا ہے تاکہ حسن کو ایسے دلآویز ماحول میں دکھائے کہ دیکھنے والا دل تھام کر رہ جائے اور پکار اٹھے کہ آرٹ کا کلیجہ نکال کر کاغذ پر رکھ دیا ہے۔ ہاں یہ مصوّر جو عمر بھر اس خیالی محبوبہ کی تصویر کی تکمیل میں صرف کرتا ہے۔ نہیں جانتا کہ جس اصل کی وہ نقل بنا رہا ہے ایسے ہزاروں نہیں لاکھوں رنگیں ادا محبوب فاقے کے باعث حسنِ خداداد کو بازار میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر نان و نمک حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ اے مصوّر! تیرے آرٹ کی یہی قدریں کہ تیری زندگی کے پاکیزہ تصورات لباس حقیقت میں ہوں، رسوا ہوں تو تو بیٹھا لکیروں کو پیٹتا رہے!

اِنسانی مُصائب

سنگتراش جس نے پتھر کا جگر چیر کر حسن کی منہ بولتی مورت پیشِ نظر کرنے میں عمر کا عیش حرام کر لیا ہے، نہیں جانتا کہ پتھر کے یہ مجسمے کیا بلا ہیں۔ جن کے چہروں سے رنگ و بو برستے ہیں وہ زمانے کے ہاتھوں برگِ خزاں دیدہ کی طرح زرد رو ہیں جس کے سینہ کے ابھار پر اسے فخر تھا ایسے ہزاروں حسین سینے میں مٹی ہوئی آرزوؤں اور ناکام تمناؤں کے حسرت بھرے مزار ہیں شاعر نے جس حسن وجدانی کو دیکھ کر غزل پڑھی۔ مغنی نے جس روپ و رنگ کو دیکھ کر ایک مسرت بھرا گیت گایا۔ ساز کے تار حسن کے پریم زیبا میں نغمہ ریز ہوئے۔ وہی جب گلیوں میں درد دکھ کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہم ان کے حال سے بے خبر اپنے راگ الاپتے رہے تو یہ آرٹ نہیں بلکہ آرٹ کی رسوائی ہے۔ سچا مذہب سچے آرٹ کا پروردگار ہے۔ اس کا مقصد غزلوں میں گائی گئی اور گیتوں میں سموئی گئی ایک خوبصورت انسانیت کو مصیبت سے نکال کر خوشی کے زعفرانوں میں لا بسانا ہے تاکہ یہ دنیا نغمۂ شادی بن جائے۔

حقیقی آرٹ وہ ہے جس کے سینے میں شوقِ خدمت کے سرچشمے ابلتے ہوں، اور وہ اپنی زندگی کو دوسروں کے لیے مفید بنانے کا آرٹ جانتا ہے۔

میں نے اکثر اہلِ حال کو قوال کی قیل و قال پر سر دُھنتے دیکھا ہے۔ قیاس کرتا ہوں کہ ان کے وجد میں خدمتِ خلق کے کتنے پاکیزہ جذبے پرورش پا رہے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حال میرے حال سے مختلف نہیں بلکہ مجھ سے بھی بدتر، راگ جب ساز کے ساتھ شامل ہو کر محفل پر نشہ برساتا ہے تو یہ حضرات جھوم جاتے ہیں اور متانت کو قوالوں کے سر صدقہ کر کے اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں اور سرمست ہو کر بازو ہلاتے اور آنکھیں مٹکاتے ہیں اور ہاتھ گت کے ساتھ ہوا میں اُٹھ جاتے ہیں۔ کولھے ہلاتے ہیں۔ سفید ریش بزرگوں کی ان حرکتوں سے ایک عالم وجد میں آجاتا ہے۔ میرا اپنا بھی جی چاہتا ہے کہ ان کی طرح پگڑی گلے میں پڑی ہو اور جسم کے اعضاء ان ہی کی طرح سُر تال کے مطابق حرکت کریں۔ کیا جانیے کیا چیز مانع ہوتی ہے جو بعد میں اللہ ہُو کرنے والے دائرے میں شامل نہیں ہو جاتا کیونکہ دل تو ہمیشہ ان بزرگوں کی پیروی کی گواہی دیتا ہے مگر ان گرم جوشیوں کا آخری نتیجہ سکرات اور جان کا جدّوجہدِ زندگی سے معذور ہو جانا ہے۔

پس راگ و رنگ کی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ جدوجہد کی صلاحیتیں باقی نہیں چھوڑتے جو قوم کے ہاتھ میں ہتھیار کی بجائے انگلی میں مضراب پہن کر بربط کے تار ہلانے لگے۔ اس کی قسمت اٹلی کی موجودہ نسل سے مختلف ہرگز نہیں ہو سکتی۔ وہ قوم جو فرانسیسیوں کی طرح اپنے آپ کو عیش و عشرت کے حوالے کر کے آرٹ پر فخر کرنے لگے۔ وہ ایک نہ ایک دن شکست کا منہ دیکھتی ہے۔

بقیہ اسلام اور یورپ

بعض مرتبہ مذہب کا زوال اہلِ مذہب کی بدولت ہوتا ہے، دنیا کے کسی مذہب کی تعلیم نہ ہو گی کہ وہ عقل کی ترقیوں کا سدّباب کرے بلکہ یہ خانہ جنگیاں دنیا پرست حاملانِ مذہب سے پیدا ہوتی ہیں جو عقلیات کی ترقیوں کے مقابلہ میں اپنی پست مائیگی دیکھ کر لرز جاتے ہیں اور انکشافات کو مذہب کی مخالفت پر محمول کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور فلسفہ کسی طرح بھی مذہب کی بنیادیں متزلزل نہیں کر سکتے۔

فلسفۂ ولی اللّٰہی کے شائقین کیلئے نادر موقع

فلسفۂ ولی اللّٰہی کو آسان زبان میں سمجھنے کے لئے مکتبۂ خدام الدین اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور میں سلسلۂ اسباق شروع کیا گیا ہے۔ شائقین حضرات نمازِ عصر کے بعد تشریف لا کر استفادہ فرما سکتے ہیں۔

فلسفۂ ولی اللّٰہی اسلام کو انقلابی رنگ میں پیش کرتا ہے جس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ اسلام غلبہ چاہتا ہے۔ یہ فلسفہ دورِ جدید کے عمرانی، معاشی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی مسائل کو کامیابی کے ساتھ حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہی امام انقلاب والسیاست حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح اور سیدی و مولائی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح کا وہ محبوب فلسفہ تھا جس کی طرف وہ اہلِ علم حضرات کو دعوتِ فکر و عمل دیتے رہے۔

علوم جدیدہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بالخصوص دعوت دی جاتی ہے کہ وہ امام الحکمت حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دہلوی رح کے فکر و فلسفہ کا مطالعہ کر کے فکری انتشار سے نجات حاصل کریں۔

الداعی، محمد مقبول عالم بی اے ناظم مکتبہ خدام الدین اندرون شیرانوالہ لاہور

★

جمعیت طلباء اسلام پاکستان ٹوبہ ٹیک سنگھ کا ہفتہ وار اجلاس زیرِ صدارت شیخ اعجاز رحمانی بتاریخ ۱۸ جنوری منعقد ہوا جس میں ممتاز عالم دین مولانا منیر احمد نے تقریر فرمائی۔

مولانا نے فرمایا کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک حق و باطل کا تصادم رہا ہے۔ اہل حق ہمیشہ مصائب و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے بلا خوف و خطر دنیا کے سامنے آوازِ حق بلند کرتے رہے ہیں۔ آج تمام طاغوتی طاقتیں اہل حق کے لئے سدِّ سکندری بن رہی ہیں لیکن انشاء اللہ یہ تمام طاغوتی طاقتیں ناکام ہوں گی۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے عزیز طلباء حق و صداقت کے راستے کو اختیار کریں تو انشاء اللہ تمام باطل قوتیں مٹ جائیں گی۔ آئیے! ہم اس مقدس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے علماء حق کے ساتھ وابستگی اختیار کریں تاکہ ہم بھی اہل حق کی رفاقت میں الحاد کو ختم کر کے کتاب و سنت کا آئین نافذ کر سکیں۔

ہفت روزہ خدام الدین

بہاولپور میں: حکیم عطاء اللہ صاحب قریشی مچھلی بازار

منڈی بوریوالا میں: مولانا محمد اقبال صاحب مکتبہ قاسمیہ

چیچہ وطنی میں: کتب خانہ رحمانیہ

مردان میں: عبدالمالک صاحب نیوز ایجنٹ

گوجرانوالہ میں: مکتبہ نعمانیہ اردو بازار

سرگودھا میں: مولانا محمد صادق صاحب جامع مسجد بلاک ۱

پشاور شہر میں: افضل نیوز ایجنسی چوک یادگار

سے حاصل کریں

●

اعلان

جناب مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہٗ نے منظور کر لیا ہے کہ وہ ہر ماہ کے پہلے اتوار کو گل بہار کالونی نمبر ۲ پشاور شہر میں درس قرآن دیں گے۔ اسی پروگرام کے تحت مولانا محترم مورخہ یکم فروری بروز اتوار بوقت دس بجے صبح بر غریب خانہ "الاحسان" نزد جامع مسجد گل بہار نمبر ۲ درس قرآن دیں گے لہٰذا اہل اسلام سے استدعا ہے کہ شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

حاجی کمال الدین —— محمود لوٹی لاہور

ہونہار بچو! آج کی فرصت میں ہم آپ کو پڑوسی کے حقوق پر کچھ معلومات کرانا چاہتے ہیں۔ بعض بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو تنگ کرتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے گھروں میں اینٹ۔ پتھر روڑے پھینک دیتے ہیں۔ اپنے کوٹھے پر چڑھ کر ان کے گھروں میں جھانکتے ہیں اور پتنگ بازی کرتے ہوئے ہرگز اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہمسایہ کی بہو بیٹی کی بے پردگی ہوگی۔

حضورؐ نے پڑوسی کے حقوق کے متعلق بہت زیادہ تاکیدیں فرمائی ہیں یعنی اس کا اکرام کرے اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے یعنی جس چیز کا وہ محتاج ہو اس میں اس کی اعانت کرے اور اس سے برائی کو دفع کرے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔ جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ تجھ سے مدد چاہے اس کی مدد کر۔ اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے۔ اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر۔ اگر بیمار ہو تو عیادت کر۔ اگر مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارک باد دے۔ اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر۔ بغیر اس کی اجازت اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رُک جائے اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو اسی طرح پوشیدہ گھر میں لا کہ وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں۔ اور اپنے گھر کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں کہ جو پکاوے، اس کو بھی حِصّہ بھیجے۔

ایک حدیث میں حضورؐ نے (تین مرتبہ فرمایا) خدا کی قسم مؤمن نہیں ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضورؐ کون؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں اور (بدیوں) سے مامون نہ ہو۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں حضرات حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان کی تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے۔

حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ پڑوس کہاں تک ہے فرمایا کہ چالیس مکان آگے کی جانب، اور چالیس پیچھے کی جانب چالیس دائیں، اور چالیس بائیں طرف۔

حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا گیا کہ دُور کے پڑوسی سے ابتدا نہ کی جائے بلکہ پاس کے پڑوسی سے کی جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ کس سے ابتدا کروں۔ فرمایا جس کا دروازہ تیرے دروازے سے قریب ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت ہو اور دُور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔

نوف شامی سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اور دُور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ (یعنی غیر مسلم)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں۔

ایک وہ جس کے تین حق ہوں ۱۔ پڑوس کا حق ۲۔ رشتہ داری اور ۳۔ اسلام کا حق، دوسری قسم وہ ہے جس کے دو حق ہوں۔ پڑوس کا حق اور اسلام کا حق۔ تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہو وہ غیر مسلم پڑوسی ہے گویا پڑوس کے تین درجے ترتیب وار ہو گئے اور اس حدیث میں محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمان پر قائم فرمایا ہے

حضورؐ کی خدمت میں ایک عورت کا حال بیان کیا گیا کہ وہ روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے۔ تہجد بھی پڑھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں داخل ہو گی (چاہے پھر سزا بھگت کر نکل آئے۔)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ پڑوس کا حق صرف یہی نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کی تکلیف کو برداشت کیا جائے۔

حضرت ابن المقفع اپنے پڑوسی کی دیوار کے سائے میں اکثر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ان کے ذمے کچھ قرض ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اس کے گھر کے سائے میں ہمیشہ بیٹھے مگر اس کے سائے کا حق ہم سے کچھ بھی ادا نہ ہوا۔ یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر کر دی اور فرمایا کہ تمہیں قیمت وصول ہو گئی۔ اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۴۵

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری DD۹-۲-۷۶۷۹/۳۹ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر GM۲/۴۰-۵۳۱۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا
اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا